کلمۃ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

ماہنامہ الحدیث کے منہج کی وضاحتیں

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد :

ماہنامہ الحدیث حضرو کے منہج اور طرزِ استدلال کے بارے میں چند وضاحتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: نصوصِ شرعیہ (قرآنِ مجید، احادیث صحیحہ اور اجماع) سے حتمی استدلال کیا جاتا ہے اور صریح نصوصِ شرعیہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اجتہاد کی کئی اقسام ہیں مثلاً:

☆ سلف صالحین کے غیر اختلافی آثار سے استدلال

☆ سلف صالحین کے اختلافی آثار میں سے راجح کو اختیار کرنا

☆ عام دلیل سے استدلال

☆ قیاسِ صحیح، مصالح مرسلہ اور اَولویت وغیرہ

۲: صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔

۳: اصولِ حدیث واصولِ محدثین سے جس خبر واحد کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے وہ قطعی، حتمی اور یقینی طور پر صحیح ہوتی ہے، اسے ظنی وغیرہ سمجھنا باطل و مردود ہے۔ اس صحیح روایت سے ایمان، عقیدہ، بیانِ قرآن، احکام اور اعمال ہر دینی مسئلے پر استدلال بالکل صحیح ہے۔

۴: ہر وہ راوی جس کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہو، اگر جمہور (مثلاً تین بمقابلہ دو) اس کی صریح یا اشارتاً توثیق کر دیں تو یہ راوی صدوق، حسن الحدیث ہوتا ہے اور اس کی بیان کردہ غیر معلول روایت فی نفسہ حسن لذاتہ اور حجت ہوتی ہے۔

تنبیہ: ماہنامہ الحدیث حضرو کے منہج میں حسن لغیرہ روایت کو حجت نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے ضعیف ہی کی ایک قسم سمجھا جاتا ہے۔

۵: جس راوی کو مجہول یا مستور کہا گیا ہے اگر اس کی صریح یا اشارتاً توثیق کسی ایک معتبر

محدث مثلاً دارقطنی وابن خزیمہ وغیرہما سے ثابت ہو جائے تو یہ راوی صدوق، حسن الحدیث ہوتا ہے اور اسے مجہول ومستور کہنا غلط ہے اگرچہ ایک ہزار امام بھی اسے مجہول ومستور کہتے ہوں۔

تنبیہ: اشارتاً کا مطلب یہ ہے کہ کوئی محدث اس راوی کی حدیث کو صحیح یا حسن وغیرہ کہہ دے یا قرار دے۔

۶: اگر ایک راوی کو مجہول یا مستور وغیرہ کہا گیا ہے اور دو متساہل محدثین مثلاً حافظ ابن حبان وامام ترمذی اس کی توثیق صراحتاً یا اشارتاً کر دیں تو اس راوی کو حسن الحدیث ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔

۷: جس راوی کا مدلس ہونا اُن محدثین سے ثابت ہو جائے جو ارسال اور تدلیس کو ایک نہیں سمجھتے تو ایسے راوی کی عن والی روایت کو غیر صحیحین میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔

۸: ثقہ وصدوق راوی کی زیادت کو ہمیشہ ترجیح حاصل ہے مثلاً ایک ثقہ وصدوق راوی کسی سند یا متن میں کچھ اضافہ بیان کرتا ہے۔ فرض کریں یہ اضافہ ایک ہزار راوی بیان نہیں کرتے، تب بھی اسی اضافے کا اعتبار ہوگا اور اسے صحیح یا حسن سمجھا جائے گا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ فلاں فلاں راوی نے یہ الفاظ بیان نہیں کئے، مخالفت کی ہے، مردود ہے۔

۹: جس شخص کا جو قول بھی پیش کیا جائے اس کا صحیح وثابت ہونا ضروری ہے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ یہ فلاں کتاب مثلاً تہذیب الکمال، میزان الاعتدال یا تہذیب التہذیب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے بلکہ اس کے ثبوت کے بعد ہی اسے بطورِ جزم پیش کرنا چاہئے۔

۱۰: عین ممکن ہے کہ ایک روایت کی سند بظاہر صحیح وحسن معلوم ہوتی ہو لیکن محدثینِ کرام نے بالاتفاق اسے ضعیف قرار دیا ہو تو یہ روایت معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ومردود سمجھی جاتی ہے۔

۱۱: کتاب وسنت کے مقابلے میں ہر قول اور ہر اجتہاد مردود ہے، مثلاً صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ متعۃ النکاح قیامت تک حرام ہے۔ اب اگر کسی عالم کا یہ قول مل جائے کہ

متعۃ النکاح جائز ہے تو اس قول کو ہمیشہ مردود سمجھا جائے گا۔

۱۲:　کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر و مستند ہے جو سلف صالحین سے بلا اختلاف ثابت ہے۔ اگر کسی بات میں ان کا اختلاف ہو تو راجح کو ترجیح دی جائے گی۔

۱۳:　اجتہادی اُمور اور اہلِ حق کے باہمی اختلاف میں وسعتِ نظر کے ساتھ علمی و باوقار اختلاف و استدلال جائز ہے اور مخالف کا احترام کرنا چاہئے۔

۱۴:　اپنی خطا سے علانیہ رجوع کرنا چاہئے۔

۱۵:　اہلِ بدعت کی کوئی عزت وتوقیر نہیں ہے بلکہ ان سے براءت ایمان کا مسئلہ ہے۔

۱۶:　ماہنامہ الحدیث میں ہر تحریر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری ہے اور اختلاف کی صورت میں صراحتاً یا اشارتاً وضاحت کر دی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ مضمون نگار اور اس کی دیگر تحریروں وغیرہ سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

۱۷:　عوام سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ ماہنامہ الحدیث ایک خالصتاً علمی وتحقیقی رسالہ ہے لہٰذا اس میں بعض ایسے مضامین بھی شائع ہوتے ہیں جنھیں عوام الناس کا سمجھنا مشکل کام ہوتا ہے تاہم کتاب وسنت کی دعوت اور تبلیغِ حق کی اشاعت کے لئے ایسے مضامین کا شائع کیا جانا ضروری ہے۔

۱۸:　ہر بات باحوالہ پیش کرنا ماہنامہ الحدیث کا امتیازی نشان ہے۔

۱۹:　تکفیری ومرجی اور دیگر فرقِ ضالہ سے براءت کرتے ہوئے حدیث اور اہلِ حدیث (محدثین اور متبعینِ حدیث) کا دفاع کرنا ماہنامہ الحدیث کا نصب العین ہے۔

۲۰:　تمام پارٹیوں اور تنظیموں سے علیحدہ رہ کر اہلِ حق کو متحد کر کے ایک جماعت بنانا وہ عظیم مقصد ہے جس کے لئے ہم دن رات کوشاں ہیں۔

۲۱:　ماہنامہ الحدیث حضرو میں بعض اوقات اگر کسی تحریر سے اختلاف ظاہر کرنا مقصود ہو یا کسی غلطی کی طرف تنبیہ ہو تو عبارت کے اوپر ایک لکیر (----) کھینچ کر اشارہ کر دیا جاتا ہے یا عبارت کو واوین (" ") میں لکھ دیا جاتا ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۶ جنوری ۲۰۰۷ء)

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

مرنے کے بعد دو ٹھکانے: جنت یا جہنم!

[۸۵] وعن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ((ما منكم من أحد إلا وقد كتب مقعده من النار ومقعده من الجنة .)) قالوا :يا رسول الله ! أفلا نتكل علٰى كتابنا وندع العمل ؟ قال : ((اعملوا ، فكل ميسّر لما خلق له ، أما من كان من أهل السعادة فسييسّر لعمل السعادة، وأما من كان من أهل الشقاوة فسييسّر لعمل الشقاوة)) ثم قرأ:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴾ الآية . متفق عليه

(سیدنا) علی (بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے لئے اس کا جہنم والا ٹھکانا اور جنت والا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم اپنے اس نوشتۂ تقدیر پر ہی کیوں نہ توکل کر بیٹھیں اور عمل چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرو، ہر ایک کے لئے وہی آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو نیک بختوں میں سے ہے، اس کے لئے نیک بختی والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو بدبختوں میں سے ہے، اس کے لئے بدبختی والے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے۔

پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: پس جس نے (اللہ کی راہ میں اپنا مال ومتاع) دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور سب سے اچھی چیز (دینِ اسلام) کی تصدیق کی۔

الآیۃ (الّیل: ۵، ۶) متفق علیہ (بخاری: ۱۳۶۲، مسلم: ۶/۲۶۴۷)

فقہ الحدیث

ا: سورۂ لیل کی باقی مشار الیہا آیات درج ذیل ہیں:

﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝﴾

پس ہم اسے عنقریب آسانی مہیا کریں گے، اور جس نے بخل کیا اور (ثواب و عذاب سے) بے پروا بنا اور سب سے اچھی چیز (دینِ اسلام) کو جھٹلایا تو ہم عنقریب اس کے لئے تنگی (عذاب) آسان کر دیں گے۔ (الّیل: ۷۔۱۰)

معلوم ہوا کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر، تشریح، تصدیق اور بیان ہے۔

۲: صرف یہ کہنا کہ ہماری تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے ہمیں ملے گا اور اس سے استدلال کرتے ہوئے نیک اعمال نہ کرنا غلط ہے۔ جنت میں داخلے کے لئے تین شرائط مقرر ہیں:

① ایمان (عقیدۂ صحیحہ)

② نیک اعمال

③ اللہ کا فضل و کرم اور رحمت

پوری محنت اور ولولہ انگیز عزم سے شریعت پر عمل کریں اور اللہ سے امید رکھیں کہ وہ اپنے خاص فضل و کرم اور رحمت سے اپنی جنت میں داخل فرمائے گا اور ساری خطائیں معاف فرما دے گا۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

۳: جس مسئلے کا علم نہ ہو یا کوئی اشکال ہو تو علمائے حق سے پوچھ لینا چاہئے تا کہ آدمی صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔

۴: قرآن و حدیث ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

۵: احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہر آدمی کے لئے دو ٹھکانے لکھے ہوئے ہیں:

① جنت کا ٹھکانا

② جہنم کا ٹھکانا

دیکھئے صحیح بخاری (۱۳۷۴) وصحیح مسلم (۲۸۷۰/۷۰) واضواء المصابیح (۱۲۶)

جو شخص صحیح عقیدے اور نیک اعمال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ ہر وقت اپنی خطاؤں پر نادم و تائب رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم اور رحمت سے جہنم کے ٹھکانے سے بچا کر جنت کے ٹھکانے میں داخل کر دیتا ہے۔

رہا کافر و مشرک اور بدبخت تو اسے جنتی ٹھکانا دکھا کر دور ہٹایا جاتا ہے اور جہنمی ٹھکانے میں داخل کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ افسوس وندامت سے مسلسل عذاب کا مزہ چکھتا رہے۔

أعاذ نا الله من غضبه ومن عذاب القبر ومن خزي يوم القيامة

٦: اہلِ علم سے مسئلہ پوچھتے وقت ان کا نام نہیں لینا چاہئے بلکہ عزت واحترام اور انتہائی ادب کے ساتھ سوال کر کے جواب کا انتظار کرنا چاہئے۔

٧: دنیا میں انسان کی اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ اس کے ظاہری اعمال وعقائد کی بنیاد پر ہی کیا جاسکتا ہے، رہے باطنی اعمال وعقائد تو ان سے صرف اللہ ہی باخبر ہے۔

[٨٦] وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :((إنّ اللّٰه كتب على ابن آدم حظه من الزنا أدرك ذلك لا محالة ، فزنا العين النظر ، وزنا اللسان النطق، والنفس تمنى وتشتهي والفرج يصدق ذلك ويكذبه)) متفق عليه

وفي رواية لمسلم قال:((كُتب على ابن آدم نصيبه من الزنا مدرك ذلك لا محالة، العينان زنا هما النظر ، والأذنان زنا هما الإستماع ، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخُطا، والقلب يهوي ويتمني ويصدق ذلك الفرج ويكذبه .))

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے آدمی کے لئے زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ ضرور پائے گا۔ آنکھ کا زنا نظر ہے اور زبان کا زنا کلام (بولنا) ہے۔ دل تمنا وخواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی

تصدیق وتکذیب کرتی ہے۔ متفق علیہ (صحیح بخاری:۶۲۴۳، صحیح مسلم:۲۰/۲۶۵۷)

صحیح مسلم (۲۱/۲۶۵۷) کی (دوسری) روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: آدمی کے لئے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ ضرور پائے گا۔ آنکھوں کا زنا نظر ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے۔ زبان کا زنا کلام ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے۔ پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش وتمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق وتکذیب کرتی ہے۔

فقہ الحدیث

۱: جس چیز کا دیکھنا حرام ہے اس پر (دانستہ یا نادانستہ) نظر کا جانا زنا قرار دیا گیا ہے۔ جو نظر نادانستہ پڑ جائے اسے شریعت میں معاف کر دیا گیا ہے مگر جو شخص جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے حرام چیز کو دیکھے تو وہ زنا کار اور مجرم ہے۔ اہلِ ایمان کا یہ طرزِ عمل ہوتا ہے کہ اگر ان کی نظر اچانک کسی ناپسندیدہ چیز پر پڑ جائے تو فوراً وہاں سے نظر ہٹا لیتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔

۲: جو اعمال گناہ اور نافرمانی کی طرف لے جاتے ہیں ان سے کُلی اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۳: فحش کلامی اور حرام چیزوں کا تذکرہ کرنا حرام ہے۔ اسی طرح بے حیائی اور ٹی وی وغیرہ پر فحش پروگرام دیکھنا اور موسیقی، گندے اور شرکیہ گانے سننا حرام ہے۔ کتاب وسنت کے مخالف جتنی چیزیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچانا فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾

اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔ (التحریم:۶)

۴: انسان کو ہر وقت اسی کوشش میں مگن رہنا چاہئے کہ کتاب وسنت پر دن رات عمل کرتا رہے اور تمام حرام ومکروہ اُمور سے ہمیشہ اجتناب کرتا رہے۔ اگر نادانستہ کسی حرام ومکروہ امر پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنے آپ کو بچائے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ غفور ورحیم ہے، اپنے فضل وکرم سے سارے گناہ معاف فرما دے گا۔ ان شاء اللہ

بدنصیب وہ لوگ ہیں جو دن رات کتاب وسنت کی مخالفت اور حرام اُمور میں مگن رہتے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

بڑا شیطان ابلیس: جنوں میں سے ہے

سوال: ابلیس جن تھا یا فرشتہ؟
قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ [ابوعبداللہ۔ گوجرانوالہ]

الجواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ﴾
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا، پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ (الکہف: ۵۰)

اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ الدہلوی لکھتے ہیں:
''ویادکن چون گفتیم برفرشتگاں سجدہ کنید آدم را پس سجدہ کردند مگر ابلیس بودازجن پس بیرون شد ازفرمان پروردگار خود'' (ص۳۶۱)

شاہ عبدالقادر دہلوی لکھتے ہیں: ''اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو، سجدہ کرو آدم کو، تو سجدہ کر پڑے مگر ابلیس۔ تھا جِنّ کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے۔'' (ص۳۶۱)

اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: ''اور جبکہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا۔ (بیان القرآن ج۶ ص۱۲۴)

احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں: ''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے کہ قوم جِنّ سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔'' (ص۴۷۹)

پیر محمد کرم شاہ بھیروی بریلوی لکھتے ہیں: ''اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جِنّ سے تھا۔ سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی'' (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۴)

اس آیت کریمہ سے صاف ثابت ہوا کہ ابلیس (بڑا شیطان) جنات میں سے تھا۔

پیر محمد کرم شاہ بھیروی لکھتے ہیں: ''ان الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا۔''

(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۴ حاشیہ: ۷۵)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خلقت الملائكة من نور وخلق إبليس من مارج من نار السموم خلق آدم عليه السلام مما قد وصف لكم .))

فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور ابلیس کو جھلسانے والی آگ کے سیاہی مائل تیز شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو اس (مٹی) سے پیدا کیا گیا ہے جس کی حالت تمھارے سامنے بیان کر دی گئی ہے۔

(کتاب التوحید لابن مندہ ج ۱ ص ۲۰۸ ح ۳۷ وھو صحیح لحدیث صحیح مسلم: ۲۹۹۶ [۷۴۹۵])

مشہور تابعی حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: **''ما كان إبليس من الملائكة طرفة عين قط وإنه لأصل الجن كما أن آدم عليه السلام أصل الإنس''**

ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ جس طرح آدم علیہ السلام انسانوں کی اصل (ابتدا) ہیں اسی طرح ابلیس جنوں کی اصل (ابتدا) ہے۔ (تفسیر طبری ۱/ ۱۷۹، ۱۵/ ۱۷۰ وصححہ ابن کثیر فی تفسیرہ ۴/ ۲۲۲، الکہف: ۵۰، کتاب العظمۃ لابی الشیخ ۵/ ۱۶۸۱ ح ۱۱۲۹، وسندہ صحیح)

اس تحقیق کے مقابلے میں درج ذیل علماء کے نزدیک ابلیس ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا۔

۱: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''كان إبليس اِسمه عزازيل وكان من أشرف الملائكة من ذوي الأربعة الأجنحة ثم أبلس بعد'' ابلیس کا نام عزازیل تھا وہ چار

پروں والے بلندرتبہ ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا پھر اس کے بعد وہ ابلیس (شیطان) بن گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۸۴/۱ ح۳۶۱ وسندہ صحیح)

۲: قتادہ (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: ابلیس ملائکہ (فرشتوں) کے اس قبیلے میں سے تھا جسے جن کہتے ہیں۔ (تفسیر عبدالرزاق: ۱۶۸۷، وسندہ صحیح، تفسیر طبری ۱۷۸/۱، ۱۷۹، ۱۵۰/۱۷، وسندہ صحیح)

۳: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

''جعل إبليس علٰى ملك سماء الدنيا و كان من قبيلة من الملائكة يقال لهم الجن و إنما سموا الجن لأنهم خزان الجنة و كان إبليس مع ملكه خازناً'' ابلیس کو آسمانِ دنیا کی بادشاہی پر مقرر کیا گیا اور وہ فرشتوں کے ایک قبیلے میں سے تھا جنھیں جن کہتے ہیں اور انھیں اس لئے جن کہا گیا کہ وہ جنت کے خزانچی ہیں اور ابلیس اپنی بادشاہت کے ساتھ خزانچی بھی تھا۔

(تفسیر ابن جریر الطبری ۱۷۸/۱، وسندہ حسن، اسباط بن نصر حسن الحدیث)

اگر سلف صالحین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کتاب وسنت اور راجح کو ترجیح ہوگی۔ اس مسئلے میں راجح یہی ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں بلکہ جنوں میں سے ہے۔ ترجیح کے چند دلائل درج ذیل ہیں:

① قرآنِ مجید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا۔

② حدیثِ صحیح میں ابلیس کی پیدائش آگ سے بیان کی گئی ہے۔

③ فرشتوں کی اولاد (نسل) نہیں ہوتی جب کہ ابلیس کی اولاد ہے۔ (دیکھئے سورۃ الکہف: ۵۰)

④ فرشتے ملائکہ ہونے کی صورت میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جب کہ ابلیس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

⑤ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا ان کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں ہے بلکہ ان کا قول اہلِ کتاب (اسرائیلیات) سے ماخوذ ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ابلیس (شیطان) جنات میں سے ہے۔ (۸ جنوری ۲۰۰۷ء)

اس تحقیق کے بعد بین الاقوامی شہرت یافتہ مکتبہ دارالسلام کی مطبوعہ کتاب ''اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی ونقلی جواب'' پڑھنے کا موقع ملا جس میں ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک نے منکرینِ اسلام کے سوالات اور اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ بحثیت مجموعی یہ انتہائی بہترین اور مدلل کتاب ہے۔

اس کتاب سے ابلیس کے بارے میں سوال و جواب بشکریہ مکتبہ دارالسلام پیشِ خدمت ہے:

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک سے پوچھا گیا:

''قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا لیکن سورۂ کہف میں فرمایا گیا ہے کہ ابلیس ایک جن تھا۔ کیا یہ بات قرآن میں تضاد کو ظاہر نہیں کرتی؟''

تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا:

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آدم وابلیس کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، سوان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ (البقرۃ:۳۴)

اس بات کا تذکرہ حسب ذیل آیات میں بھی کیا گیا ہے:

☆ سورۂ اعراف کی آیت:۱۱

☆ سورۂ حجر کی آیات:۲۷۔۳۱

☆ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت:۶۱

☆ سورۂ طٰہٰ کی آیت:۱۱۶

☆ سورۂ صٓ کی آیت:۷۱۔۷۴

لیکن (۱۸) ویں سورۃ الکہف کی آیت:۵۰ کہتی ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا۔ پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔''

تغلیب کا کلیہ

سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت کے پہلے حصے سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی گرامر میں ایک کلیہ تغلیب کے نام سے معروف ہے جس کے مطابق اگر اکثریت سے خطاب کیا جا رہا ہو تو اقلیت بھی خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر میں 100 طالب علموں پر مشتمل ایک ایسی کلاس سے خطاب کر رہا ہوں جس میں لڑکوں کی تعداد 99 ہے اور لڑکی صرف ایک ہے، اور میں عربی زبان میں یہ کہتا ہوں کہ سب لڑکے کھڑے ہو جائیں تو اس کا اطلاق لڑکی پر بھی ہوگا۔ مجھے الگ طور پر اس سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اسی طرح قرآن کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا تو ابلیس بھی وہاں موجود تھا، تاہم اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ اس کا ذکر الگ سے کیا جاتا، لہٰذا سورۂ بقرہ اور دیگر سورتوں کی عبارت کے مطابق ابلیس فرشتہ ہو یا نہ ہو لیکن 18 ویں سورۃ الکہف کی پچاسویں آیت کے مطابق ابلیس ایک جن تھا۔ قرآن کریم میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ سو قرآن کریم میں اس حوالے سے کوئی تضاد نہیں۔

ارادہ واختیار جنوں کو ملا، فرشتوں کو نہیں

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جنوں کو ارادہ واختیار دیا گیا ہے اور وہ چاہیں تو اطاعت سے انکار بھی کر سکتے ہیں، لیکن فرشتوں کو ارادہ واختیار نہیں دیا گیا اور وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں، لہٰذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی فرشتہ اللہ کی نافرمانی بھی کر سکتا ہے۔ اس حقیقت سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ ابلیس ایک جن تھا، فرشتہ نہیں تھا۔'' (اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی ونقلی جواب ص ۲۲۱۔۲۲۳)

خادم حسین پردیسی، جدہ سعودی عرب

اسلام کا شعار اور دعا....السلام علیکم

دینِ اسلام نے مسلمانوں کو آپس میں سلام کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور سلام کرنا مسلمان بھائی کا حق ہے۔ سلام سے آپس میں محبت بڑھتی ہے، تعلق وادب پیدا ہوتا ہے، سلام میں سبقت کرنے سے اللہ تعالیٰ دکھ اور نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔

تکبر وغرور کا مادہ زائل ہوتا ہے، مساوات ورواداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ سلام کہنے والے سے خوش ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر سلام کہنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ﴾

اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کیا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ (النور:٦١)

نیز فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں (گھر والوں) سے اجازت لئے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو، یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ تم یاد رکھو۔ (النور:٢٧)

اسی طرح کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو اس سے اپنے تعلق اور مسرت کا اظہار کرنے کے لئے السلام علیکم کہنا چاہئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ﴾

اور جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو انھیں سلام علیکم کہا کیجئے۔ (الانعام:۵۴)

آیتِ مبارکہ میں امتِ مسلمہ کو یہ اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان جب بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے ملے تو السلام علیکم کہے اور اس طرح سلام کرنا باہمی الفت ومحبت کو بڑھانے اور استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔

فرشتے بھی ''سلام علیکم'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

(متقی لوگوں کی جزا یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگتے ہیں اور وہ (کفروشرک سے) پاک ہوتے ہیں تو سلام علیکم کہتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) جو عمل تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (النحل:۳۲)

جنتیوں کا استقبال بھی انھی کلمات کے ساتھ ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴾

متقی لوگوں کو گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ سلام علیکم، بہت اچھے رہے اب اس (جنت) میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ (سورۃ الزمر:۷۳)

جنت میں اہل جنت بھی ایک دوسرے کا استقبال انھی کلمات کے ساتھ کریں گے اور ''سلام، سلام'' کی صدا ان کی زبان پر عام ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾

(جنتی لوگ) وہاں بیہودہ اور گناہ کی بات نہ سنیں گے، ہاں ان کا کلام، سلام سلام (ہوگا)۔

(سورۃ الواقعۃ:۲۵، ۲۶)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ '' السلام علیکم '' مسلمانوں کے لئے بہترین دعا اور بہترین تحفہ ہے۔ قرآنِ مجید کے علاوہ سنتِ نبوی میں بھی مسلمانوں کو سلام کہنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ذیل میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱۔ عن عبداللہ بن عمرو أن رجلاً سأل رسول اللہ ﷺ: أيّ الإسلام خیر؟ قال: ((تطعم الطعام وتقرئ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف))

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کون سی خصلت اسلام میں بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھلانا اور ہر واقف وناواقف کو السلام علیکم کہنا۔ (صحیح بخاری: ۶۲۳۶ وصحیح مسلم: ۶۳/۳۹ المشکوٰۃ: ۴۶۲۹)

۲۔ عن أبي ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: ((للمؤمن علی المؤمن ست خصالٍ: یعودہٗ إذا مرض ویشھدہٗ إذا مات و یجیبہٗ إذا دعاہ ویسلم علیہ إذا لقیہ ویشمتہٗ إذا عطس وینصح لہ إذا غاب أو شھد))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں۔ (۱) جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے (۲) جب فوت ہو جائے تو اس کی نمازِ جنازہ میں حاضر ہو (۳) جب دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے (۴) جب اس سے ملے تو سلام کہے (۵) جب وہ چھینکے تو چھینک کا جواب دے اور (۶) اس کی خیر خواہی کرے چاہے وہ حاضر ہو یا غائب۔

(المشکوٰۃ: ۴۶۳۰، سنن النسائی ۴/۵۳ ح ۱۹۴۰، سنن الترمذی: ۲۷۳۷ وقال: '' ھذا حدیث صحیح '' وسندہ حسن)

۳۔ عن أبي ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: ((خلق اللہ اٰدم علٰی صورتہ طولہ ستون ذراعًا فلما خلقہ قال: اذھب فسلم علٰی أولٰئك النفر وھم نفر من الملٰئکۃ جلوس، فاستمع مایجیبونك فإنھا تحیتك وتحیۃ ذریتك فذھب فقال: السلام علیکم فقالوا: السلام علیك ورحمۃ اللہ))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انھیں فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس بھیج کر فرمایا: ان کو سلام کیجئے اور وہ جو جواب دیں وہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا تحفہ ہے، چنانچہ آدم علیہ السلام نے انھیں السلام علیکم کہا تو انھوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ (البخاری: ۶۲۲۷ ومسلم: ۲۸/۲۸۴۱ والمشکوٰۃ: ۴۶۲۸)

۴۔ **عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((لا تدخلون الجنة حتٰى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتٰى تحابّوا، أولاأدلكم علٰى شيءٍ إذا فعلتموه تحاببتم افشوا السلام بينكم))**

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہ ہوسکو گے جب تک تم ایمان نہ لے آؤ، اور تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایک ایسا کام نہ بتلاؤں جب تم اسے کرو گے تو تم میں باہمی محبت پیدا ہوگی؟ یہ کام ایک دوسرے کو سلام کہنا ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۴/۹۳۰، المشکوٰۃ: ۴۶۳۱)

۵۔ **عن أبي أمامة قال قال رسول الله ﷺ: ((إن أولى الناس بالله من بدأ بالسلام))**

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے جو سلام میں پہل کرے۔

(المشکوٰۃ: ۴۶۴۶، مسند احمد ۲۵۴/۵، سنن الترمذی: ۲۶۹۴ وقال: ''ھٰذا حدیث حسن'' سنن ابی داود: ۵۱۹۷ وسندہ صحیح)

۶۔ **عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((يسلم الراكب على الماشي والماشي على القاعد والقليل على الكثير))**

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار پیدل چلنے والے کو (پہلے) سلام کہے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو اور تعداد میں تھوڑے زیادہ تعداد والوں کو سلام کہیں۔ (صحیح بخاری: ۶۲۳۲ وصحیح مسلم ۲۱۶۰/۱ والمشکوٰۃ: ۴۶۳۲)

۷۔ **''عن أنس قال: أن رسول الله ﷺ مر علٰى غلمان فسلم عليهم''**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بچوں پر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کہا۔ (صحیح بخاری: ۶۲۴۷ وصحیح مسلم: ۲۱۶۸/۱۴ والمشکوٰۃ: ۴۶۳۴)

۸۔ **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: ((إذا سلم عليكم اليهود فإنما يقول أحدهم: السام عليكم فقل: وعليك))**

سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یہود تمھیں سلام کہیں تو وہ ''**السام عليكم**'' (تم پر موت آئے) کہتے ہیں لہٰذا جواباً ان سے کہو ''**وعليك**'' یعنی تم پر بھی۔ (صحیح بخاری: ۶۲۵۷ وصحیح مسلم: ۲۱۶۴/۸ والمشکوٰۃ: ۴۶۳۶)

سلام کے سلسلے میں بکثرت احادیث کتبِ حدیث میں مروی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ دینِ اسلام کے اس بہترین تحفہ اور دعا کی قدر کرتے ہوئے اسے باہم خوب پھیلائیں اور اس کی برکتوں سے مستفید ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اعلانات

☆ ماہنامہ الحدیث: ۳۲ ص ۳ پر ''**يصوم تسع ذى الحجة**'' کا ترجمہ ''نو ذوالحجہ کو روزہ رکھتے تھے'' چھپ گیا تھا، جو کہ غلط ہے جب کہ صحیح ترجمہ ''ذوالحجہ کے نو روزے رکھتے تھے'' ہے جیسا کہ سنن النسائی (۴/۲۲۰، ۲۲۱ ح ۲۴۱۹) کی حدیث ''**كان يصوم تسعة من ذى الحجة**'' سے بھی ثابت ہے۔ میں محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اور مولانا مبشر احمد ربانی صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس طرف توجہ مبذول کرائی۔ **جزاهما الله خيراً.**

استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی تصنیف لطیف ''**الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين**'' (عربی) مکتبہ اسلامیہ سے شائع ہوگئی ہے۔ اس کتاب میں حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب طبقات المدلسین کے ساتھ کچھ مفید رسالے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔

[حافظ ندیم ظہیر ۱۷/ جنوری ۲۰۰۷ء]

فضلِ اکبر کاشمیری

فتنۂ تکفیر

فتنۂ تکفیر نے دین اسلام کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اس کی وجہ سے کئی باطل فرقے معرض وجود میں آئے، جنھوں نے مسلمانوں ہی کو کافر قرار دینے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ تکفیر کی یہ بیماری بہت پرانی ہے۔ اسلام میں بگاڑ پیدا کرنے والے یہودی بھی اسی بیماری کے مریض تھے۔ چنانچہ انھوں نے سلیمان علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ دیکھئے البقرۃ:۱۰۲

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پہلی امتوں کے طریقوں کی بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! (آپ کی مراد پہلی امتوں سے) یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر (اور) کون ہوسکتا ہے؟ (بخاری:۳۴۵۶، ۷۳۲۰ومسلم:۲۶۶۹)

قومِ یہود کی باقیات سئیات میں سے روافض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مقدس جماعت کو کافر قرار دیا۔ ان کے نزدیک تین صحابۂ کرام (مقداد بن الاسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی) کے علاوہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مرتد قرار پائے۔ **معاذالله**

ملاحظہ کیجئے رجال الکشی (ص۱۲) وکتب الشیعہ، اسی طرح شیعہ مزید باون (۵۲) فرقوں میں بٹ گئے۔

خوارج نے بھی سلسلۂ تکفیر کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہی سے کیا۔ جدل ومناظرہ ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ شدتِ نزاع وخصومت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اپنی آراء وافکار میں تعصب ان کا خصوصی وصف تھا۔ مناظرات ومناقشات میں تنگ نظری کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ خوارج قرآن کے معنی ومفہوم کی گہرائی میں اترنے کی زحمت نہ کرتے بلکہ نصوص

پر سطحی نگاہ ڈالنے کے عادی تھے۔ ان پر ظواہر پرستی کا رنگ نمایاں تھا۔ سبیل المؤمنین سے منحرف ہو کر گمراہی وضلالت ان کا مقدر بنی ۔ اسی طرح خوارج کے بھی ستائیس (۲۷) فرقے معرض وجود میں آئے ۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس امت میں سے کچھ لوگ ایسے نکلیں گے (پیدا ہوں گے) کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں حقیر جانو گے ۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن (قرآن) ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے (پار) نکل جاتا ہے۔ (بخاری:۶۹۳۱)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں نے ان کو پایا تو میں ان کو قوم عاد کی طرح قتل کر ڈالوں گا۔ (مسلم:۱۰۶۴)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (خوارج) آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مقتول ہیں اور بہترین مقتول وہ ہیں جن کو انھوں (خوارج) نے قتل کیا۔ خوارج جہنم کے کتے ہیں، یقیناً یہ لوگ مسلمان تھے پھر کافر ہو گئے ۔
ابوامامہ سے پوچھا گیا کہ یہ بات تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو؟ کہا: (نہیں) بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (ابن ماجہ:۱۷۶، وسندہ حسن)

اہلِ سنت کا واضح موقف ہے کہ تکفیر بہت خطرناک چیز ہے، کسی کو کافر قرار دینا بہت نازک مسئلہ ہے۔ اس سلسلہ میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ جب تک کسی میں ایسی واضح شرائط نہ پائی جائیں کہ اسے کافر قرار دیا جا سکے اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو قطعی طور پر کسی کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہئے۔ بغیر دلیل کے کسی کو کافر قرار دینا دانشمندانہ اقدام نہیں۔ کسی شخص معین پر کفر کا فتویٰ لگانے کے سلسلہ میں محدثین بہت محتاط واقع ہوئے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص اسلام سے براہ راست متصادم ہو، کافرانہ اور مشرکانہ عقائد ونظریات رکھے اور ضروریاتِ دین کا انکار کرے تو اس کے کفر اور شرک میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

عملِ کفر کے مرتکب کی تکفیر کا مسئلہ؟!

نبی ﷺ نے گو بعض اعمال پر کفر کا اطلاق فرمایا ہے لیکن اہلِ علم نے ان اعمال کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ اگر اس سلسلے کے دلائل اکٹھے کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں ہم چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔ (بخاری:۴۸، مسلم:۶۴)

ایک اور موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا:

میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (بخاری:۱۷۳۹)

درج بالا دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا یا اس سے قتال کرنا کفر ہے لیکن ان احادیث کے بل بوتے پر قاتل پر کفر کا فتویٰ لگا کر اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اپنے والد (کی طرف انتساب) سے نفرت نہ کیا کرو۔ کیونکہ جس نے اپنے والد (کی طرف انتساب) سے انکار کیا تو اس نے کفر کیا۔ (مسلم:۶۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لوگوں میں دو باتیں ایسی موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں:

(۱) نسب میں طعن کرنا (۲) اور میت پر نوحہ کرنا۔ (مسلم:۶۷)

سیدنا جریر البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے پیغمبر کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

جو غلام بھی اپنے مالک کے پاس سے بھاگ جائے تو اس نے کفر کیا جب تک وہ واپس نہ آجائے۔ (مسلم:۶۸)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

یقیناً آدمی اوراس کے کفر وشرک کے درمیان فرق نماز کا ترک کر دینا ہے۔ (مسلم:۸۲)

کسی پر کفر وشرک کا فتویٰ لگا دینا بہت بڑی جسارت ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی کی تکفیر کرتا ہے اور وہ شخص درحقیقت ایسا نہیں ہوتا تو ایسے مکفر کیلئے احادیث میں بہت زجر موجود ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیے:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو (کلمۂ کفر) دونوں میں سے ایک پر لوٹ آتا ہے۔

(بخاری:۶۱۰۴، مسلم:۶۰)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کوئی شخص کسی پر فسق کی تہمت لگائے نہ کفر کی کیونکہ اگر وہ شخص ایسا نہیں ہے تو یہ (کلمہ) کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ (بخاری:۶۰۴۵)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص کسی کو کافر کہہ کر پکارے یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ (مسلم:۶۱)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

جس نے کسی مومن پر لعنت کی تو یہ اُس کو قتل کر دینے کے برابر ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی پس یہ اُس کو قتل کر دینے کے مترادف ہے۔ (بخاری:۶۱۰۵)

اندازہ کیجئے کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنا کتنا خطرناک فعل ہے اور تکفیر کرنے والے کے ایمان کے زائل ہونے کا شدید خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ لہٰذا تکفیریوں کیلئے یہ انتہائی ڈرنے کا مقام ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب اس طرح قائم کیا ہے:

''جو شخص اپنے بھائی کو بغیر کسی تاویل کے کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔''

(صحیح بخاری کتاب الادب، باب نمبر ۷۳)

پھر امام بخاری نے ایک دوسرا باب بایں الفاظ قائم کیا ہے:
''جو شخص کسی کو تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافر کہہ دے اس کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔''
(صحیح بخاری، کتاب الادب باب نمبر ۷۴)

تکفیر معین کیلئے کچھ قواعد وضوابط، شرائط اور موانع ہیں۔ ذیل میں ہم تکفیر کیلئے چند موانع ذکر کرتے ہیں:

① حدیث میں تین (۳) اشخاص کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے:
(۱) سونے والے سے یہاں تک کہ جاگے (۲) اور دیوانے سے یہاں تک کہ اس کو عقل آجائے (۳) اور بچے سے یہاں تک کہ وہ بڑا ہو جائے۔ (ابوداود: ۴۳۹۸)

② خطا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ﴾
اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو کچھ تم سے بھول چوک میں ہو جائے۔ (الاحزاب:۵)

③ **سبقت لسانی:** انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو بے آب ودانہ زمین میں اپنے اونٹ پر سوار ہو پھر وہ اونٹ چل پڑے اور اس پر اس کا کھانا اور پانی ہو۔ پس وہ اس سے ناامید ہو جائے تو وہ ایک درخت کے پاس آکر اُس کے نیچے لیٹ جائے۔ یقیناً اپنے اونٹ سے نا اُمید ہو گیا ہو، وہ اسی حالت میں ہو کہ اچانک اونٹ اس کے پاس آکر کھڑا ہو جائے۔ پس وہ اس کی نکیل پکڑ لے پھر وہ شدتِ خوشی کی وجہ سے کہنے لگے: اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر بیٹھے۔ (مسلم:۲۷۴۷)

④ **جہالت:** ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہت گناہگار تھا جب وہ قریب المرگ ہوا تو اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا پھر میری ہڈیوں کو پیس کر ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا

عذاب دے گا کہ ایسا عذاب کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ پس جب وہ فوت ہوا تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے جسم کے تمام ذرات کو جمع کر، پس زمین نے ایسا ہی کیا۔ تو وہ بندہ کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا: اے میرے رب! تیرے ڈر کی وجہ سے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

(بخاری:۳۴۸۱، مسلم:۲۷۵۶) [مزید دلائل کیلئے دیکھئے المآئدۃ:۱۱۲، بنی اسرآءیل:۱۵، الترمذی:۲۱۸۰ وغیرہ]

⑤ اکراہ (مجبوری):

اللہ فرماتا ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥﴾

جس نے اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کیا مگر جس کو مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو لیکن جس نے کھلے دل سے کفر کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ (النحل:۱۰۶)

الغرض خوارج کی راہ پر گامزن تکفیری فرقے ہر طرف اپنا زہر پھیلا رہے ہیں مثلاً ڈاکٹر مسعود عثمانی کی پارٹی اور اس کے تمام ذیلی فرقے، مسعود بی ایس سی کا گروہ اور اس کے تمام ذیلی فرقے اور فرقیاں وغیرہ۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ علمائے حق ان فتنوں کو قرآن و حدیث کے محکم دلائل کے ذریعے سے کچل ڈالیں تا کہ ان باطل فرقوں کو سر چھپانے کی جگہ نہ ملے۔ اگر کسی کا منہج، نظریہ اور فکر صحیح سمت پر قائم نہ ہو تو اس کا گمراہ کن خلوص و تقویٰ کسی کام کا نہیں۔ خیر اسی میں پنہاں ہے کہ دینی راہنمائی کیلئے ایسے اہلِ علم سے رابطہ رکھا جائے جو ثقہ ہوں، اللہ سے ڈرنے والے ہوں، اللہ کے دین کیلئے مخلص ہوں۔ ایسے ربانی علماء کا وجود اس معاشرہ میں مسلمانوں کیلئے باعثِ خیر و سعادت ہے۔

اللهم احفظنا من الفتن ماظهر منها وما بطن ۔ (آمین)

عبدالرشید عراقی

مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی خدمتِ حدیث

(تلخیص وتہذیب)

مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

شاہ محمد اسحاق دہلوی نے ۱۲۵۸ھ میں حجاز کی طرف سفر کیا تو ان کی مسند تدریس کے جانشین ان کے تلمیذ رشید مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م۱۳۲۰ھ) معروف بہ میاں صاحب ہوئے جنھوں نے ۶۲ سال تک حدیث کا درس دیا۔ اس عرصہ میں بلا مبالغہ ہزاروں طلباء ان سے مستفید ہوئے۔ آپ کے درس سے متعدد جلیل القدر ناشرین و شارحین حدیث پیدا ہوئے جن میں مولانا ابومحمد ابراہیم آروی (م۱۳۱۹ھ) مولانا شمس الحق ڈیانوی (م۱۳۲۹ھ) اور مولانا عبدالرحمان مبارکپوری (م۱۳۵۳ھ) قابل ذکر ہیں۔

علمائے اہلِ حدیث کی خدمتِ حدیث علمائے عرب کی نظر میں

کتبِ حدیث کی اشاعت و طباعت کا اعتراف علمائے عرب نے بھی کیا ہے۔ مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالعزیز الخولی فرماتے ہیں:

''ولایوجدفی الشعوب الإسلامیة - علٰی کثر تها و اختلاف أجناسها - من وفّی الحدیث قسطه من العنایة في هٰذا العصر مثل إخواننا مسلمی الهند ، أولٰئك الذین وجد بینهم حفاظ للسنة و دارسون لها علٰی نحوما کانت تدرس فی القرن الثالث حریة فی الفهم ونظرًا في أسانید ، کما طبعوا کثیرًا من کتبها النفیسة التي کادت تذهب بهاید الإهمال وتقضي علیها غیر الزمان

ہمارے اس دور میں کسی بھی اسلامی ملک میں مسلمانوں نے علمِ حدیث کی طرف کما حقہ توجہ نہ کی سوائے ہندوستان کے، کہ وہاں ایسے حفاظ واساتذۂ حدیث موجود

ہیں جو تیسری صدی ہجری کے طرز پر پابندیٔ مذہب سے آزاد درسِ حدیث دیتے،
اور حسبِ ضرورت نقدِ روایات سے بحث کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے حدیث کی
بہت سی نادر و نایاب اور بیش قیمت کتابیں شائع کیں، جن کی طرف اگر انھوں نے
توجہ نہ کی ہوتی تو غالباً دستبردِ زمانہ کی نذر ہو جاتیں۔''

[مفتاح السنۃ ص ۱۶۵، ۱۶۶ طبع قاہرہ ۱۳۴۷ھ بحوالہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات اور خدمات)
ص ۴۲، ۴۳]

علامہ رشید رضا مصری (م ۱۳۵۳ھ) صاحب تفسیر المنار نے بھی برصغیر کے علمائے اہلِ حدیث
کی خدمتِ حدیث کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ولولا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هٰذا العصر
لقضي عليها بالزوال من أمصار الشرق ، فقد ضعفت في
مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتّٰى
بلغت منتهى الضعف في أوائل هٰذا القرن الرابع العشر

ہندوستان کے علمائے حدیث نے علومِ حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی، اگر وہ ایسا
نہ کرتے تو شاید یہ علم مشرق کے ممالک سے مٹ جاتا، ہم دیکھتے ہیں کہ مصر، شام،
عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ زوال پذیر تھا، اور چودھویں صدی
ہجری کے آغاز میں تو ضعف کی انتہا تک پہنچ چکا تھا۔'' [مفتاح کنوز السنۃ (مقدمہ)
طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ صفحہ ق بحوالہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات اور خدمات) ص ۴۳]

ہندوستان کے علمائے تقلید نے بھی علمائے اہلِ حدیث کی خدمات کا اعتراف کیا
ہے۔ مناظر احسن گیلانی تقلیدی (م ۱۹۵۶ء) اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

''اس کو تسلیم کرنا چاہئے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن و حدیث) کی
طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی اس میں اہلِ حدیث اور غیر مقلدیت کی اس
تحریک کو بھی دخل ہے اکثریت غیر مقلد تو نہ ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔''

[ماہنامہ برہان دہلی، اگست ۱۹۵۸ء جلد ۴۱ نمبر ۲]

مولانا شمس الحق عظیم آبادی

مولانا شمس الحق عظیم آبادی کا شمار ممتاز علمائے اہلِ حدیث میں ہوتا ہے آپ ایک بلند پایہ عالم، محدث، محقق، خطیب ومقرر، معلم ومتکلم، دانشور، ادیب، نقاد ومبصر اور عربی، فارسی اور اردو کے نامور مصنف تھے۔ آپ کے علمی تبحر، ذوقِ تحقیق، وسعت معلومات اور علم وفضل پر ممتاز علمائے کرام کا اتفاق ہے آپ کو تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغت، ادب، عربیت، تاریخ وسیر، اسماء الرجال، انساب اور صرف ونحو میں کمال حاصل تھا۔

۲۷ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ (جولائی ۱۸۵۷ء) کو آپ کی ولادت ہوئی اور ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء) کو ۵۶ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

[نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۱۹۴، ۱۹۵]

خدمت علم حدیث

مولانا شمس الحق نے حدیث نبوی ﷺ کی خدمت میں جو گرانقدر کارہائے نمایاں انجام دیئے، اس کی مثال تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ ایک طرف آپ نے حدیث کی امہات الکتب شائع کیں دوسری طرف حدیث کی حمایت میں علمائے حدیث سے کتابیں لکھوائیں اور ان کی اشاعت کا بندوبست کیا اور تیسری طرف حدیث کی کئی ایک کتابوں کی شرحیں لکھیں اور ان کو شائع کیا اور چوتھے یہ کہ آپ نے ایک عظیم الشان کتب خانہ بنایا جس میں حدیث کی نایاب ونادر کتابیں جمع کیں۔ مولانا عظیم آبادی نے جو مذکورہ بالا چار کارنامے انجام دیئے ہیں، اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

''ثم رجع إلی بلدته وعكف علی التدریس والتصنیف والتذكیر و

بذل جهده في نصرة السنة والطريقة السلفية ونشر كتب الحديث وجمع كتبها التي كانت عزيزة الوجود فى السنة المطهرة وأنفق مالاً في طبع بعض الكتب وله منة عظيمة علٰى أهلِ العلم بذلك ''

دہلی میں (شیخ الکل میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے) تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے شہر لوٹ آئے اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ وعظ ونصیحت میں دل لگایا۔ اور اپنی پوری زندگی محنت، سنت اور سلفی طریقہ کی مدد کرنے اور کتب حدیث کی اشاعت اور ان کتابوں کے جمع کرنے میں لگے رہے جن کا وجود ان دنوں میں نایاب تھا۔ اس سلسلہ میں بعض کتابوں کے چھاپنے میں بھی اپنا کثیر مال خرچ کیا اور اس طرح انھوں نے اہلِ علم پر بڑا احسان کیا۔ [ایضاً ص ۱۹۴]

کتب حدیث کی اشاعت

مولانا شمس الحق نے ۵۶ سال کی عمر پائی۔ انھوں نے حدیث کی جو مفید خدمات انجام دیں اس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے۔ آپ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، حافظ ذہبی اور حافظ عبدالعظیم منذری وغیرہ کی متعدد کتابیں اپنے خرچ پر طبع کرائیں۔ حافظ منذری کی مختصر السنن، حافظ ابن قیم کی تہذیب السنن اور علامہ سیوطی کی اسعاف المبطاً وغیرہ تصحیح وتعلیق کے بعد شائع کیں۔

دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن نے حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب ان کی تحریک پر شائع کیں۔

حدیث کی حمایت اور دینی حمیت

مولانا شمس الحق حدیث وسنت اور عقیدۂ سلف کی تائید وحمایت کے لئے پوری طرح کمر بستہ رہتے تھے اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت اور مخالفت برداشت نہ کرتے تھے۔

شبلی نعمانی تقلیدی (م۱۹۱۴ء) نے جب سیرۃ النعمان (امام ابوحنیفہ کی سوانح حیات) شائع کی تو اس میں محدثین پر عموماً اور امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ پر خصوصاً تنقید کی تو مولانا شمس الحق نے سیرۃ النعمان کے جواب میں مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م۱۳۳۶ھ) سے اس کا جواب لکھوایا۔ یہ جواب ''حسن البیان'' کے نام سے شائع ہوا اور اس کے ساتھ امام بخاری کے حالات اور ان کی علمی خدمات پر اس دور کے نامور عالم دین مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م۱۳۴۲ھ) سے ''سیرۃ البخاری'' لکھوائی۔ [دیکھئے مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات وخدمات) ص۵۹]

پٹنہ کے ایک غالی اور دین سے جاہل شخص ڈاکٹر عمر کریم نے چند رسائل اور اشتہار شائع کئے جن میں امام بخاری اور ان کی بے نظیر کتاب صحیح البخاری پر بے جا قسم کے اعتراضات کئے گئے۔ مولانا شمس الحق نے اپنے تلمیذ رشید مولانا ابوالقاسم سیف البنارسی (م۱۳۶۹ھ) کو ان کے جوابات لکھنے پر تیار کیا چنانچہ مولانا بنارسی نے ڈاکٹر عمر کریم کے تمام رسائل و اشتہارات کے جوابات لکھے اور مولانا عظیم آبادی نے یہ تمام جوابات اپنے خرچ پر شائع کروائے۔

مولانا ابوالقاسم بنارسی رحمہ اللہ کے بعض رسائل کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) حل مشکلات بخاری مسمیٰ بہ الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری
۲) الامر المبہم لابطال الکلام المحکم
۳) ماء حمیم للمولوی عمر کریم
۴) صراط مستقیم لہدایۃ عمر کریم
۵) الریح العقیم لحسم بناء عمر کریم
۶) الخزی العظیم للمولوی عمر کریم
۷) الارجون القدیم فی افشاء ہفوات عمر کریم

[جماعت اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات ص۳۶۸، ۳۶۹، تراجم علمائے حدیث ہند ج اص۳۵۹]

حدیث اور متعلقات حدیث پر مولانا عظیم آبادی کی تصانیف

مولانا شمس الحق نے حدیث اور متعلقات حدیث پر جو کتابیں لکھیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داود (عربی)
۲۔ عون المعبود علیٰ سنن ابی داود (عربی، ۴ جلد)
۳۔ التعلیق المغنی علیٰ سنن الدارقطنی (عربی، ۲ جلد)
۴۔ التعلیقات علیٰ اسعاف المبطأ برجال الموطا (عربی)
۵۔ التعلیقات علیٰ سنن النسائی (عربی)
۶۔ رفع الالتباس عن بعض الناس (عربی)
۷۔ غنیۃ الالمعی (عربی)
۸۔ فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری (عربی)
۹۔ ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی (عربی) [جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات ص ۵۰ تا ۵۲]
۱۰۔ النجم الوہاج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن حجاج (عربی)

[مولانا شمس الحق عظیم آبادی، حیات اور خدمات ص ۸۶]

کتب خانہ

مولانا شمس الحق کو کتابیں جمع کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ چنانچہ ان کا کتب خانہ ہندوستان کے عظیم الشان کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کتب خانہ میں بے شمار مطبوعہ اور غیر مطبوعہ (قلمی) کتابوں کا ذخیرہ تھا۔

مولانا شمس الحق کی جمع کتب کے بارے میں سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) لکھتے ہیں:

''مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی درسگاہ سے جو نامور اٹھے ان میں ایک مولانا شمس الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعبود) ہیں جنھوں نے کتب حدیث

کی جمع اور اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا۔ اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔'' [مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند ص ۳۷]

۱۴ اپریل ۱۹۰۶ء کو ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام بنارس کے ٹاؤن ہال میں نادر و نایاب کتابوں کی نمائش کی گئی تھی۔ اس میں درج ذیل کتابیں شبلی نعمانی تقلیدی نے مولانا عظیم آبادی کے کتب خانہ سے منگوائی تھیں:

۱۔ مسند عبد بن حمید المکی
۲۔ مسند ابی عوانہ
۳۔ کشف الاستار عن زوائد مسند البزار للہیثمی
۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ
۵۔ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی
۶۔ معالم السنن للخطابی
۷۔ شرح سنن ابی داود لابن القیم [مقالات شبلی ج ۷ ص ۱۱۱]

کتب خانے کا افسوس ناک انجام

مولانا شمس الحق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو فوت ہوئے۔ ان کے بعد یہ کتب خانہ ان کے صاحبزادے حکیم مولانا محمد ادریس ڈیانوی (م ۱۹۶۰ء) کی تحویل میں آ گیا۔ مولانا حکیم محمد ادریس نے ایک ذخیرۂ کتب خدا بخش لائبریری پٹنہ کو دے دیا۔ بقیہ کتب خانہ دو المناک حادثوں کا شکار ہو گیا۔

پہلا حادثہ (۱۹۴۶ء) میں پیش آیا۔ جب کہ ڈیانواں میں مسلم کش فسادات ہوئے تو بہت سے مسلمانوں نے مولانا کے آبائی مکان میں پناہ لی اور ان کے لئے کتب خانہ کے کمرے بھی کھول دیئے گئے تو ان لوگوں نے بے شمار کتابیں کھانا پکانے کی خاطر چولہوں کی نذر کر دیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا حکیم محمد ادریس ڈھاکہ (بنگال رمشرقی پاکستان) منتقل

ہوگئے اور کتابوں کا ایک خاصا ذخیرہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ حکیم صاحب نے (۱۹۶۰ء) میں وفات پائی اور یہ کتب خانہ حکیم صاحب کے داماد محمد ابو القاسم کی تحویل میں آیا۔ (۱۹۷۱ء میں) جب بنگلہ دیش تحریک شروع ہوئی تو اس میں یہ کتب خانہ مکمل طور پر ضائع ہوگیا۔ [دیکھئے مولانا شمس الحق عظیم آبادی حیات وخدمات ص۲۷تا۴۷]

مولانا محمد عزیر شمس حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایسے عظیم الشان کتب خانے کا یہ انجام کتنا دردناک ہے!! '' اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون

دعوت اور آزمائش

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

کیا آپ پر کوئی دن احد کے دن سے بھی زیادہ سخت گزرا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھاری قوم کی طرف سے میں نے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں لیکن اس سارے دور میں عقبہ کا دن مجھ پر سب سے زیادہ سخت تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب میں نے کنانہ ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے ہاں خود کو پیش کیا تھا لیکن اس نے میری دعوت کو رد کر دیا۔ میں وہاں سے انتہائی غمگین ہو کر واپس ہوا۔ پھر جب میں قرن الثعالب پہنچا تب مجھے کچھ ہوش آیا، میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا میرے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے اور میں نے دیکھا کہ جبریل اس میں موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ نے آپ کے بارے میں آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور جو انھوں نے رد کیا وہ بھی سن چکا۔ آپ کے پاس اللہ نے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ ان کے بارے میں جو چاہیں اس کا اسے حکم دے دیں۔ اس کے بعد مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ اے محمد! پھر اس نے بھی وہی بات کہی: آپ جو چاہیں، اگر آپ چاہیں تو میں دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ماردوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تو اس کی امید ہے کہ اللہ ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔

(بخاری:۳۲۳۱)　[فضل اکبر کاشمیری]

محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

چھتیسواں (۳۶) قصہ: سیدنا حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا غزوۂ بدر کا قصہ:

بنوسلمہ کے کچھ لوگوں نے یہ قصہ بیان کیا کہ حباب بن منذر نے کہا: یارسول اللہ! جس مقام پر ہم ٹھہرے ہوئے ہیں آیا اس مقام پر (بذریعۂ وحی) اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھہرایا ہے یا یہ ایک رائے اور جنگی تدبیر ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ تو رائے ہے، جنگ اور جنگی تدبیر ہے۔

تو حباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ٹھہرنے کی (کوئی مناسب) جگہ نہیں، آپ ان لوگوں کو لے چلئے حتیٰ کہ ہم قوم (قریش) کے سب سے نزدیک جو چشمہ ہے وہاں جا کر ٹھہر جائیں۔ پھر ہم بقیہ چشمہ پاٹ دیں گے پھر اپنے چشمے پر حوض بنا کر اسے پانی سے بھر دیں گے، اس کے بعد جب ہم قریش سے جنگ کریں گے تو ہم پانی پئیں گے اور وہ نہیں پئیں گے (چونکہ پانی پر ہمارا قبضہ ہوگا۔)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے تو بہت اچھی رائے دی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے تیزی سے اٹھے اور چل دیئے حتیٰ کہ جب قریش کے سب سے قریبی چشمہ پر پہنچے تو وہیں پڑاؤ ڈالا۔ پھر آپ نے چشموں سے متعلق حکم دیا تو وہ پاٹ دیئے گئے اور پھر جس چشمہ پر وہ ٹھہرے تھے اس پر حوض بنایا گیا اور اسے بھر دیا گیا، پھر اس میں اپنے برتن ڈال دیئے.... (سخت ضعیف روایت ہے۔)

تخریج: ابن جریر نے التاریخ (ج۲ص۲۹) ابن ہشام نے السیرۃ (ج۲ص۱۹۲) اور ابن سید الناس نے عیون الاثر (ج۱ص۳۹۰) میں '' **ابن إسحاق قال: فحدثت عن رجال من بني سلمة أنهم ذكروا** '' کی سند سے یہ قصہ نقل کیا ہے۔

جرح: اس کی سند ساقط ہے، اس میں مجہول راوی ہے۔

(چونکہ ''رجال'' کا ہمیں علم نہیں کہ یہ کون تھے آیا ثقہ تھے یا ضعیف لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔)

ابن عبدالبر نے الدرر (ص ۱۰۶) بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج ۳ ص ۳۱) ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (ج ۲ ص ۵) اور ابن الاثیر نے اُسد الغابہ (ج ۱ ص ۴۳۶) میں ایک ضعیف و معضل (اور منقطع) سند کے ساتھ اسے روایت کیا اور (دوسری سند) حاکم نے مستدرک (ج ۳ ص ۴۲۶، ۴۲۷) میں ''یعقوب بن یوسف بن زیاد :ثنا أبو حفص الأعشی: أخبرني بسام الصیرفي عن أبی الطفیل الکناني:أخبرني حباب بن المنذر الأنصاري'' (رضی اللہ عنہ) کی سند سے یہ قصہ بیان کیا۔

اس کی سند بھی ساقط ہے اس میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت: یعقوب بن یوسف بن زیاد کا مجہول ہونا۔

دوسری علت: ابوحفص الاعشی کا مجہول ہونا۔

ذہبی نے فرمایا: ''یہ منکر حدیث ہے۔'' نیز دیکھئے ابن الملقن کی المختصر (ج ۵ ص ۲۱۳۹) حافظ ابن حجر الاصابۃ (ج ۲ ص ۱۰) میں یہ قصہ لائے پھر فرمایا: ابن شاہین نے ضعیف سند سے ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی سند سے اسے روایت کیا۔

حاکم نے مستدرک (ج ۳ ص ۴۲۷) اور ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (ج ۳ ص ۵۶۷) میں ''محمد بن عمر :حدثنا ابن أبي حبیبة عن داود بن الحصین عن عکرمة عن ابن عباس'' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا۔

اس کی سند تاریک ہے اور اس میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت: محمد بن عمر الواقدی۔ یہ ''متروك'' راوی ہے جیسا کہ تقریب التہذیب (ص ۴۹۸) میں ہے۔ [واقدی کذاب و متروک راوی ہے۔]

دوسری علت: داود بن الحصین الاموی کی عکرمہ سے روایت منکر ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۳ ص ۱۵۷)

(علامہ) البانی نے فقہ السیرۃ (ص ۲۳۵) میں اپنی تعلیقات میں فرمایا: اور الاموی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے یہ قصہ بیان کیا جیسا کہ البدایہ والنہایہ (ج ۳ ص ۲۶۷) میں ہے تو اس سند میں الکلبی ہے اور یہ کذاب ہے۔ الخ

(کلبی کذاب، دجال، سبائی اور رافضی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے۔ مؤقر ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو مئی ۲۰۰۶ شمارہ نمبر ۲۴ ص ۵۳ تا ص ۵۴۔ مترجم)

سینتیسواں (۳۷) قصہ: نصر بن حجاج کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ:

ابو بردہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک رات گشت فرما رہے تھے، اس دوران میں وہ ایک عورت تک آ پہنچے جو یہ شعر پڑھ رہی تھی:

هل من سبيل إلى خمر فأشر بها أم من سبيل إلى نصر بن حجاج

کیا میرے لئے کوئی راستہ ہے شراب کی طرف کہ میں اُسے پی لوں یا نصر بن حجاج کی طرف کوئی راستہ ہے؟ جب صبح ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نصر بن حجاج سے متعلق پوچھا، تو وہ بنی سلیم کا ایک شخص تھا، آپ نے اس کی طرف قاصد بھیجا، وہ آپ کے پاس آ گیا وہ انتہائی خوبصورت آدمی تھا اُس کے بال بھی بڑے خوبصورت تھے۔

آپ نے اسے حکم دیا کہ اپنے بال مونڈھ ڈالو، تو اُس نے ایسا ہی کیا۔ تو اُس کی پیشانی نمایاں ہوگئی اس کی خوبصورتی اور بڑھ گئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: جائیے عمامہ باندھ لیجئے۔ اس نے ایسا ہی کیا اُس کے حسن میں اور اضافہ ہو گیا۔

تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ میرے ساتھ اُس زمین پر نہیں رہ سکتا جس پر میں ہوں، پھر آپ نے اُن کے لئے کچھ مال وغیرہ کا حکم دیا اور انھیں بصرہ بھیج دیا۔ (یہ ضعیف قصہ ہے۔)

تخریج: یہ روایت ابن دیزیل نے اپنی حدیث (ص ۴۶) میں داود بن ابی الفرات کی سند سے بیان کی۔

جرح: اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ابو بردہ رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

متابعات: اس کی عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت پر مختلف لوگوں نے متابعت کی ہے جیسے:

① **عبداللہ بن بریدہ:** ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (ج۳ص ۲۸۵) الخرائطی (الاصابۃ ج۱۰ص ۱۹۸) ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (ج۲ص ۶۰۸) ابن دیزیل نے اپنی ''حدیث'' (ص۴۵) مدائنی نے ''المغربین'' میں جیسا کہ فتح الباری (ج۱۲ص۱۵۹) میں داود بن ابی الفرات کی سند سے ہے۔

عبداللہ بن بریدہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع کی وجہ سے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ابن ابی حاتم نے المراسیل (ص۹۶) میں کہا کہ ابو زرعہ نے فرمایا: ''عبداللہ بن بریدہ کی عمر رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔'' دیکھئے العلائی کی جامع التحصیل (ص۲۰۷) اور ابن حجر نے الاصابۃ (ج۱۰ص۱۹۸) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا اور اس میں ''نظر'' ہے۔

② **علوان بن داود البجلی:** ابن دیزیل نے اپنی حدیث (ص۴۶) میں سعید بن عفیر کی سند سے اسے بیان کیا۔اس کی سند بالکل کمزور ہے اس میں علوان بن داود البجلی ہے، اس سے متعلق امام بخاری نے فرمایا منکر الحدیث ہے اور ابوسعید بن یونس نے فرمایا: ''منکر الحدیث ہے۔'' دیکھئے میزان الاعتدال (ج۴ص ۲۸) امام بخاری نے فرمایا: ہر وہ راوی جس کے بارے میں میں منکر الحدیث کہوں، پس اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔

③ **محمد بن سیرین:** خرائطی نے اسے روایت کیا جیسا کہ الاصابۃ (ج۱۰ص۱۹۸) میں ہے۔اس کی سند کو ابن حجر نے ضعیف کہا ہے۔

④ **عامر بن شراحیل الشعبی:** ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۷: ل ۵۳۸/ ط) میں روایت کیا۔اس کی سند بھی ضعیف ہے اس لئے کہ شعبی کا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پانا یا سماع ثابت نہیں تو عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت منقطع ہے۔

ابن ابی حاتم نے المراسیل (ص۱۳۲) میں کہا: ابو زرعہ نے کہا: الشعبی کی عمر سے روایت

مرسل ہے اور اسی طرح ابوحاتم نے فرمایا۔ دیکھئے جامع التحصیل (ص ۲۰۴)

⑤ **عوف بن ابی جمیلہ:** ابن دیزیل نے اپنی حدیث (ص ۵۰) میں '' **أبو بكر محمد بن محمد بن سليمان: حدثنا وهب بن بقية: حدثنا خالد** '' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

اس کی سند بالکل بودی ہے اس میں دو (۲) علتیں ہیں:

پہلی علت: عوف بن ابی جمیلہ اور عمر بن الخطاب کے درمیان انقطاع ہے۔

دوسری علت: محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی مدلس ہے، اختلاط کا شکار اور بڑی بڑی غلطیاں کرنے والا راوی ہے۔

السلمی نے السؤالات (ص ۲۸۶) میں کہا: میں نے دارقطنی سے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: '' یہ مخلط، مدلس، جن کے پاس حاضر ہوتا اُن سے لکھ لیتا پھر اپنے اور اپنے شیخ کے درمیان تین راوی ساقط کر دیتا۔ یہ بڑی غلطیاں کرنے والا ہے.......... ''

الراسبی نے کہا کہ مجھ سے ابن مظاہر نے بیان کیا: یہ شخص جھوٹ نہیں بولتا، لیکن اس کی خوشی اسے اس بات پر ابھارتی ہے کہ یہ کہے '' **حدثنا** '' میں نے اس کی کتب میں بعض مقامات پر دیکھا کہ اس سے فلاں نے بیان کیا اور میری کتاب میں فلاں (کسی اور) سے ہوتی۔ پھر میں اسے یہ کہتے ہوئے دیکھتا کہ '' **أخبرنا** ''

پس الباغندی اور وہب بن بقیہ کے درمیان انقطاع واقع ہے چونکہ وہب سے اس کی شاگردی یا سماع ثابت نہیں۔ دیکھئے تعریف اہل التقدیس لابن حجر (ص ۱۰۸) میزان الاعتدال (ج۴ص ۲۶) سیر اعلام النبلاء (ج۱۴ص ۳۸۳)

اڑتیسواں (۳۸) قصہ: امام عبداللہ بن مبارک کا فضیل بن عیاض (کو میدانِ جہاد سے خط لکھنے) کا قصہ:

کہا جاتا ہے کہ امام عبداللہ بن مبارک نے فضیل بن عیاض کو میدان جہاد سے ایک خط لکھا

جس میں چند اشعار تھے:

اے حرمین میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے اگر تو ہمارا حال دیکھ لیتا۔ تو تُو جان لیتا کہ تیری عبادت تو کھیل ہے، وہ جو اپنی گردنوں کو (رو روکر) اپنے آنسوؤں سے رنگ (تر کر) دیتا ہے، اور ہماری گردنیں ہمارے ہی خونوں سے رنگ جاتی ہیں۔

یا اپنے گھوڑوں کو باطل کاموں میں تھکا دیتا ہے اور ہمارے گھوڑے تو گھمسان کی جنگ میں تھک جاتے ہیں، مرکب خوشبوئیں تمھارے لئے ہیں اور ہمارے لئے (گھوڑوں کی) ٹاپوں سے اٹھنے والی گرد اور پاکیزہ غبار ہی مرکب خوشبوئیں ہیں۔

اور ہمارے پاس ہمارے نبی کی بات آئی، جو صحیح اور سچی بات ہے نہ جھٹلائی جاتی ہے کسی بندہ کی ناک میں اللہ کے لشکر کی گرد و غبار اور (جہنم کی) بھڑکتی ہوئی آگ کا دھواں جمع نہیں ہوں گے۔

اور یہ اللہ کی کتاب ہے جو ہمارے درمیان بول رہی ہے۔ شہید مردہ نہیں ہوتا۔

(یہ من گھڑت کہانی ہے۔)

تخریج: سبکی نے طبقات الشافعیۃ (ج ۱ ص ۲۸۶) میں لکھا: ابوالمفضّل محمد بن عبداللہ بن المطلب الشیبانی نے کہا: ہمیں ابو محمد عبداللہ بن سعید بن یحییٰ الجزری القاضی نے سن ۳۱۷ھ میں زبانی املا کروایا۔ اس نے کہا کہ مجھے محمد بن ابراہیم بن ابی سکینہ البہرانی نے حلب شہر میں اپنی کتاب سے ۲۳۶ھ میں املا کرایا۔ اس نے کہا مجھے یہ اشعار عبداللہ بن المبارک نے طرسوس میں املا کروائے اور میں حج کے لئے ان سے رخصت ہوا تو میرے ساتھ یہ خط فضیل بن عیاض کی طرف بھیجا اور یہ ۱۲۶ھ کی بات ہے پھر یہ اشعار سنائے۔

جرح: اس کی سند تاریک ہے، اس میں ابوالمفضل حدیث گھڑنے کے ساتھ متہم ہے۔

حوالے: دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۵ ص ۵۴) اور حلبی کی '' **الکشف الحثیث عمن رمي بوضع الحدیث** '' (ص ۲۳۶) اور اسی سند سے ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (ج ۸ ص ۳۶۴) میں اور الداری نے طبقات السنیۃ (ج ۴ ص ۱۸۷) میں۔

عرض مترجم: ہمارے استاذ محترم زبیر علی زئی صاحب فرماتے ہیں:

''سیر اعلام النبلاء میں یہ واقعہ بے سند مذکور ہے۔ اگر کوئی واقعہ بغیر سند کے آثار البلاد، النجوم الزاہرہ اور سیر اعلام النبلاء وغیرہ ہزاروں کتابوں میں مذکور ہو تو علمی دنیا میں بے فائدہ ہے۔
تاریخ دمشق لابن عساکر (ج ۳۴ص ۳۰۷) وطبقات شافعیہ (نسختنا ج ۱ص ۱۵۰، ۱۵۱) میں یہ قصہ ابوالمفضل محمد بن عبداللہ الشیبانی عن محمد عبداللہ بن محمد بن سعید بن یحییٰ القاضی عن محمد بن ابراہیم بن ابی سکینہ (الحلبی) کی سند سے لکھا ہوا ہے۔ ابوالمفضل الشیبانی کے حالات لسان المیزان (ج ۵ص ۲۳۱، ۲۳۲) ومیزان الاعتدال (ج ۳ص ۶۰۷) وغیرہما میں مذکور ہیں۔ اس کے شاگرد امام ابوالقاسم الازہری فرماتے ہیں: ''**کان أبو المفضل دجالاً کذاباً**'' ''ابوالمفضل دجال کذاب تھا۔ (تاریخ بغداد ج ۵ص ۴۶۷ ت ۳۰۱۰ وسندہ صحیح)
ابومحمد عبداللہ بن محمد بن سعید بن یحییٰ القاضی ''**مفقود الخبر**'' ہے اس کی تلاش جاری ہے، جس شخص کو اس کے حالات مل جائیں وہ ''الحدیث'' حضرو کے پتہ پر اطلاع بھیج دے۔ شکریہ
خلاصۃ التحقیق: یہ سند موضوع و بے اصل ہے لہٰذا اس قصے کا بیان کرنا جائز نہیں
۱۸ رجب ۱۴۲۶ھ'' (ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ نمبر ۱۸ ج ۲ نومبر ۲۰۰۵)

بلاشبہ جہاد کے بے شمار فضائل قرآن وسنت میں بکثرت مقامات پر جہاد کی اہمیت، فضیلت اور مقام وعظمت کو بیان کیا گیا ہے اور جہاد سے مسلمانوں کی عزت وعظمت کے تحفظ سے انکار کی بھی گنجائش نہیں۔۔۔ لیکن ''جہاد'' کے علاوہ عبادات کو کھیل تماشا قرار دینا قطعاً درست نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴾

ایمان والوں میں سے وہ لوگ جو معذور نہیں اور (اپنے گھروں میں) بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ جو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں

یہ دونوں (اللہ کے ہاں) برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر اللہ نے اجرِ عظیم کی فضیلت دی ہے۔ (النسآء:۹۵)

اس آیت مبارکہ میں مجاہدین اور بیٹھے رہنے والوں میں مقام، مرتبہ، درجات اور فضیلت میں زمین وآسمان کا فرق واضح ہے لیکن یہ بھی کہ ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ''بھلائی'' کا وعدہ فرمایا: سو عبادت کو اور وہ بھی حرمین شریفین میں عبادت کو ''کھیل تماشا'' سمجھنا باطل ہے یقیناً باطل ہے۔ ابن المبارک جیسے ''عظیم محدث'' سے نہ تو یہ من گھڑت اشعار ثابت ہیں اور نہ ہی وہ ایسا کہہ سکتے تھے۔

ہاں البتہ اس شعر میں ''میدانِ جہاد کے گرد وغبار اور جہنم کے دھوئیں سے متعلق جو بات کہی گئی وہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ سیدنا ابوعبس عبدالرحمٰن بن جبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عبدٍ في سبيل اللّٰهِ فتمسته النار)) یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی بندے کے قدم اللہ کے راستہ (جہاد) میں غبار آلود ہوں پھر انھیں جہنم کی آگ بھی چھوئے۔ (صحیح البخاری:۲۸۱۱)

سید المحدثین ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ولا يجتمع على عبد غبار في سبيل اللّٰه ودخان جهنم))

اور کسی بندے پر اللہ کی راہ (جہاد) کا گرد وغبار اور جہنم کا دھواں اکٹھا نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی:۱۶۳۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا، علامہ البانی نے بھی صحیح قرار دیا۔ استاذِ محترم حافظ زبیر علی زئی صاحب نے تخریج ریاض الصالحین (مطبوعہ دارالسلام ح ۱۳۰۴) میں اسے صحیح قرار دیا۔ جب جہاد پر اس قدر آیات و بے شمار صحیح احادیث موجود ہیں تو پھر ان من گھڑت اشعار جو حق وباطل کا ملغوبہ ہیں انھیں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟

تقریر: محمد تقی عثمانی دیوبندی　　　　تبصرہ: حافظ زبیر علی زئی

نماز میں ہاتھ، ناف سے نیچے یا سینے پر؟

دیوبندی حلقے میں محمد تقی عثمانی بن مفتی محمد شفیع صاحب کا بڑا مقام ہے۔بعض تقلیدی حضرات انھیں ''شیخ الاسلام'' بھی کہتے ہیں۔تقی صاحب نے سنن ترمذی کی تدریس کے دوران میں جو کچھ املاء فرمایا ہے اسے رشید اشرف سیفی دیوبندی نے مرتب کر کے ''ترتیب وتحقیق'' کے ساتھ مکتبہ دارالعلوم کراچی سے ''درسِ ترمذی'' کے نام سے طبع کرایا ہے۔نماز میں ہاتھ کہاں باندھنے چاہئیں؟
اس کے بارے میں درسِ ترمذی سے محمد تقی عثمانی صاحب کی تقریر مع حواشی اور اس پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں:

''دلائل احناف:

حنفیہ کی طرف سے سب سے پہلی دلیل حضرت وائل کی مصنف ابن ابی شیبہ والی روایت ہے:
''قال رأیت النبي صلی الله علیه وسلم یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة تحت السرّة ''(۱)

لیکن احقر کی نظر میں اس روایت سے استدلال کمزور ہے، اوّل تو اس لئے کہ اس روایت میں'' تحت السرّة'' کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ (۲) کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملے، اگرچہ علامہ نیمویؒ نے ''آثار السنن'' میں ''مصنف'' کے متعدد نسخوں کا حوالہ دیا ہے، کہ اُن میں یہ زیادتی مذکور ہے، تب بھی **اس زیادتی کا بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کو مشکوک ضرور بنا دیتا ہے، نیز حضرت وائل بن حجر کی**

یہ روایت مضطرب المتن ہے، کیونکہ بعض میں "علی صدرہ"،(۳) بعض میں..... "عند صدرہ"(۴) اور بعض میں "تحت السرّة"(۵) کے الفاظ مروی ہیں، اور اس شدید اضطراب کی صورت میں کسی کو بھی اس سے استدلال نہ کرنا چاہئے۔

حنفیہ کا دوسرا استدلال سنن ابی داود کے بعض نسخوں میں حضرت علیؓ کے اثر سے ہے:(۶)

"إن من السنة وضع الكف على الكف فى الصلوٰة تحت السرة"(۷)

یہ روایت ابوداود کے ابن الاعرابی والے نسخے میں موجود ہے، کما فی بذل المجھود، نیز یہ مسند احمدؒ (ص ۱۱۰ ج ۱) اور بیہقیؒ (ص ۳۱ ج ۲) میں مروی ہے، اور اصول حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی صحابی کسی عمل کو سنت کہے تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے، اگرچہ اس روایت کا مدار عبدالرحمٰن بن اسحٰق پر ہے، جو ضعیف ہے، لیکن چونکہ اس کی تائید صحابۂ کرامؓ و تابعینؒ کے آثار سے ہو رہی ہے، اس لئے اس سے استدلال صحیح اور درست ہے، چنانچہ حضرت ابومجلزؒ، حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہم کے آثار "الجوہر النقی"(۸) اور مصنف ابن ابی شیبہؒ(۹) وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں' یہ تمام آثار حنفیہ کی تائید کرتے ہیں۔

شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ روایات کے تعارض کے وقت ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا تو وہ حنفیہ کی تائید کرتا ہے، کیونکہ ناف پر ہاتھ باندھنا تعظیم کے زیادہ لائق ہے، البتہ عورتوں کے لئے سینہ پر ہاتھ باندھنے کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ اس میں ستر زیادہ ہے، واللہ اعلم،

حواشی:

۱۔ کمافی آثار السنن (ص ۶۹) باب فی وضع الیدین تحت السرّة، ۱۲،

۲۔ (ج ۱ ص ۳۹۰) کتاب الصلوات، وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰة (طبع حیدرآباد، ہند)

۳۔ کمافی آثار السنن (ص ۶۴) باب فی وضع الیدین علی الصدر) نقلاً عن صحیح ابن خزیمہ، لکن قال النیموی "وفی اسنادہ نظر وزیادة "علی صدرہ" غیر محفوظة" مرتب عفی عنہ

۴۔ قال النیموی: اخرج ابن خزیمة فی ھذا الحدیث "علٰی صدرہ" والبزّار "عند صدرہ" (آثار السنن،

ص ٦٥، طبع المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان) مرتب عفی عنہ

٥۔ کمافی اکثر نسخ مصنف ابن ابی شیبۃ قالہ النیموی، انظر آثار السنن (من ص ٦٩، الیٰ ص ٧١) ١٢ مرتب عفی عنہ

٦۔ کما نقل البنوری فی معارف السنن (ج ٢ ص ٤٤١ و ٤٤٤)

٧۔ وایضاً اخرجہ، ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ (ج ١ ص ٣٩١) وضع الیمین علی الشمال، بہذہ الالفاظ عن علی قال ''من سنۃ الصلوٰۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرّ ر'' ١٢ مرتب عافاہ اللہ،

٨۔ عن ابی ہریرۃ قال ''وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرّ ۃ'' وعن انس قال ''ثلاث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضع الید الیمنی علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ تحت السرّ ۃ'' ١٢ ملخصًا من الجوہر النقی علی السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ٢ ص ٣١ و ٣٢) باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ ١٢ رشید اشرف عفا اللہ عنہ

٩۔ حدثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا الحجاج بن حسّان قال سمعت ابا مجلز اوسأ لتہ قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینہ علیٰ ظاہر کف شمالہ ویجعلھا اسفل من السّر ۃ'' وعن ابراہیم قال ''یضع یمینہ علیٰ شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ'' انظر مصنف ابن ابی شیبۃ (ج ١ ص ٣٩٠ و ٣٩١) وضع الیمین علی الشمال ١٢ مرتب عفی عنہ ''] انتہیٰ کلامہ (درس ترمذی ج ٢ ص ٢٢، ٢٣)

تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

نماز میں مَردوں کے لئے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے پر عصرِ حاضر میں آلِ تقلید کی طرف سے چند ''دلائل'' پیش کئے جاتے ہیں:

١: مصنف ابن ابی شیبہ کا حوالہ

٢: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر بحوالہ سنن ابی داود اور مسند احمد وغیرہما

٣: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر

٤: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر بحوالہ الجوہر النقی

٥: آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

۶: آثارِ تابعین

☆ ان مزعوم ''دلائل'' میں سے اول ''دلیل'' کے بارے میں محمد تقی عثمانی صاحب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ''اس روایت سے استدلال کمزور ہے۔''

عثمانی صاحب سے پہلے محمد بن علی النیموی التقلیدی نے طرح طرح کی قلابازیاں کھانے اور تقلیدی جمود کے باوجود مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کو

''**فكانت غير محفوظة**'' ''**فيه اضطراب**'' اور ''**ضعيف من جهة المتن**'' قرار دیا ہے۔ (التعلیق علیٰ آثار السنن تحت ح ۳۳۰)

یعنی مصنف کی طرف منسوب یہ روایت نیموی صاحب کے نزدیک بھی غیر محفوظ، مضطرب اور بلحاظِ متن ضعیف ہے۔

تنبیہ: مصنف ابن ابی شیبہ کا قدیم ترین نسخہ ۶۴۸ھ (ساتویں صدی ہجری) کا لکھا ہوا ہے اور اس کا ناسخ (لکھنے والا) متقن (ثقہ) ہے اور یہ نسخہ اصل سے مقابلہ شدہ ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ بتحقیق محمد عوامہ تقلیدی (ج ۱ ص ۳۸، ۳۹) اور ہفت روزہ الاعتصام لاہور (ج ۵۹ شمارہ: ۱ جنوری ۲۰۰۷ء) اس قدیم ترین قلمی نسخے میں بھی سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی حدیث کے آخر میں ''**تحت السرة**'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

انور شاہ کاشمیری دیوبندی کہتے ہیں کہ ''**فإني راجعت ثلاث نسخ للمصنف فما وجدته في واحدة منها**'' پس بے شک میں نے مصنف کے تین (قلمی) نسخے دیکھے ہیں، ان میں سے ایک نسخے میں بھی یہ (**تحت السرة** والی عبارت) نہیں ہے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۲۶۷)

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی ایک اصول بتاتے ہیں کہ جو عبارت بعض نسخوں میں ہو اور بعض میں نہ ہو وہ (دیوبندیوں کے نزدیک) مشکوک ہوتی ہے۔ دیکھئے بذل المجہود (ج ۴ ص ۴۷۱ تحت ح ۴۸۷)

☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر کے راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی کو نیموی

نے بھی ''ضعیف'' لکھا ہے۔ (حاشیہ آثار السنن تحت ح ۳۳۰)

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر ابن الترکمانی حنفی کی کتاب ''الجوہر النقی'' میں بے سند مذکور ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ و سنن ابی داود (۷۵۸) وغیرہما میں اس اثر کی سند کا بنیادی راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی ہی ہے جسے تقی عثمانی اور نیموی تقلیدی دونوں ضعیف کہتے ہیں۔

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر الجوہر النقی میں بحوالہ المحلی لابن حزم مذکور ہے۔ محلی (ج۴ ص۱۱۳ مسئلہ: ۴۴۸) میں یہ اثر بغیر کسی سند اور حوالے کے مذکور ہے۔ یہ اثر امام بیہقی کی کتاب الخلافیات (قلمی ص ۳۷ و مختصر الخلافیات مطبوع ج ۱ ص ۳۴۲) میں بحوالہ ''**سعید بن زربي عن ثابت عن أنس**'' کی سند سے موجود ہے۔

سعید بن زربی سخت ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''**منکر الحدیث**''

(تقریب التہذیب: ۲۳۰۴)

امام بیہقی نے بھی اسی مقام پر اس راوی پر جرح کی ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا: ''**ضعیف**''

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۸۳)

☆ آثار صحابہ کے سلسلے میں عرض ہے کہ کسی ایک صحابی سے بھی نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت نہیں ہے۔ صرف یہ کہنا کہ یہ آثار الجوہر النقی اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہما میں موجود ہیں، کافی نہیں ہے بلکہ اصل کتاب سے تحقیق کر کے باحوالہ صحیح سند پیش کرنی چاہئے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔'' (احسن الکلام طبع دوم ج ۱ ص ۳۲۷)

جب امام بخاری رحمہ اللہ کی بے سند بات مردود ہے تو بعد میں آنے والے لوگوں کی بے سند بات کس شمار و قطار میں ہے۔!

☆ تابعین میں سے ابراہیم نخعی کی طرف منسوب اثر ثابت نہیں ہے۔ ابو مجلز تابعی رحمہ اللہ

کا اثر سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ کے اثر سے معارض ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز میں ناف سے اوپر (فوق السرۃ) ہاتھ رکھنے چاہئیں۔

(امالی عبدالرزاق: ۱۸۹۹ وسندہ صحیح، الفوائد لابن مندہ ج ۲ ص ۲۳۴)

آلِ دیوبند کے نزدیک صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول حجت ہے جیسا کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔ بانیٔ مدرسۂ دیوبند محمد قاسم نانوتوی نے محمد حسین بٹالوی سے کہا: ''دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطورِ معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہو گی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں اُن کا مقلد نہیں۔'' (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۲)

محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا نے لکھا: ''لیکن سوائے امام اور کسیکے قول سے ہمپر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے'' (ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ سطر نمبر ۱۹، ۲۰ مطبوعہ مطبع قاسمی مدرسہ دیوبند)

عرض ہے کہ کیا حنفیت کے دعویداروں کے نزدیک ابومجلز رحمہ اللہ کا قول حجت ہے؟ کیا یہ لوگ ابومجلز رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں؟ کیا خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح یہ ثابت ہے کہ تابعین کے مختلف اقوال وافعال میں سے کسی ایک تابعی کا قول وفعل حجت ہے؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کے ثبوت کے لئے ابومجلز رحمہ اللہ کا قول یا فعل پیش کیا تھا؟ سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور ابومجلز رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف ہو تو کسے ترجیح ہوگی؟ نبی کریم ﷺ کی سنت کے مقابلے میں بعض علماء کے اختلافی آثار کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

☆ محمد تقی عثمانی صاحب نے روایات کے بزعمِ خود تعارض کی صورت میں ابن ہمام تقلیدی کے قیاس کو ترجیح دی ہے کہ ناف پر ہاتھ رکھنے چاہئیں حالانکہ عام تقلیدی حضرات ناف سے بہت نیچے ہاتھ رکھتے ہیں جس کا مشاہدہ ان لوگوں کی حالتِ نماز دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ عرض ہے کہ ادلۂ ثلاثہ (قرآن، حدیث اور اجماع) کے بعد حنفی حضرات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قیاس کے مقلد ہیں یا ابن ہمام تقلیدی کے قیاس کے مقلد ہیں؟ کیا نصِ صریح

کے مقابلے میں بعض الناس کا قیاس مردود نہیں ہے؟
عثمانی صاحب کو چاہئے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح اس قیاس کا ثبوت پیش کریں۔
تنبیہ: تقی صاحب اور ابن ہمام کے کلام سے ثابت ہوا کہ حنفیوں کے پاس قرآن، حدیث، اجماع، آثارِ سلف صالحین اور اجتہادِ امام ابوحنیفہ سے کوئی دلیل نہیں ہے کہ نماز میں مرد ناف سے نیچے اور عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں۔ اس سلسلے میں آلِ تقلید کا عمل ابن ہمام وغیرہ کے قیاس پر ہے۔
☆ آخر میں عرض ہے کہ سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ'' **ورأیتہ یضع ھٰذہ علٰی صدرہ** '' اور میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن، التحقیق لابن الجوزی ۲۸۳/۱)
یہ روایت مسند احمد کے تمام نسخوں میں موجود ہے اور اسے امام احمد سے ابن الجوزی نے روایت کیا ہے اور ابن عبدالہادی و حافظ ابن حجر العسقلانی نے نقل کر رکھا ہے۔ بعض الناس یہ کہتے ہیں کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد یہ الفاظ بیان نہیں کرتے۔ عرض ہے کہ اگر دوسرے ایک ہزار راوی بھی یہ الفاظ بیان نہ کریں اور یحییٰ بن سعید القطان یہ الفاظ بیان کریں تو زیادتِ ثقہ کی رو سے انھی الفاظ کا اعتبار ہے۔
مسند احمد کی روایت کی تائید طاوس تابعی رحمہ اللہ کی بیان کردہ مرسل (منقطع) روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: '' **کان رسول اللہ ﷺ یضع یدہ الیمنٰی علٰی یدہ الیسریٰ ثم یشدّ بھما علٰی صدرہ وھو فی الصلوٰۃ** ''
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھتے تھے۔
(سنن ابی داود: ۷۵۹ و کتاب المراسیل لابی داود: ۳۳)
اس روایت کی سند طاوس تک حسن ہے اور یہ روایت مرسل (منقطع) ہونے کہ وجہ سے ضعیف ہے۔

اس مرسل روایت کے راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: ابوتوبہ الربیع بن نافع = ''ثقة عابد حجة عابد'' اور صحیحین کے راوی ہیں۔

۲: الہیثم بن حمید = جمہور کے نزدیک موثق وصدوق اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔

۳: ثور بن یزید الحمصی = جمہور کے نزدیک ثقہ اور صحیح بخاری کے راوی ہیں

۴: سلیمان بن موسیٰ = جمہور کے نزدیک موثق وصدوق اور مقدمہ صحیح مسلم کے راوی ہیں۔

۵: طاؤس = ''ثقة فقيه فاضل'' اور صحیحین وسنن اربعہ کے راوی ہیں

آلِ دیوبند کے نزدیک مرسل حجت ہوتی ہے۔ دیکھئے اعلاء السنن (ج۱ص۸۲ بحث المرسل)
محدثین کے نزدیک مرسل ضعیف ہوتی ہے لیکن صحیح وحسن لذاتہ روایت کی تائید میں مرسل کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ والی روایت بلحاظِ سند ومتن حسن لذاتہ ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام''۔ والحمدللہ

(۱۹ جنوری ۲۰۰۷ء)

شذرات الذہب — **نزولِ باری تعالیٰ** — سید تنویر حسین شاہ ہزاروی

مشہور ثقہ محدث فقیہ کبیر اور جلیل القدر امام ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر الترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۵ھ) سے کسی نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث: ((إن الله (تعالىٰ) ينزل إلى سماء الدنيا)) بے شک اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے، کے بارے میں پوچھا کہ ''فالنزول كيف يكون يبقى فوقه علو ؟'' پس نزول سے (عرش پر) بلند ہونا کیسے باقی رہ جاتا ہے؟

امام ابوجعفر رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''النزول معقول والكيف مجهول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة'' نزول معقول (ومعلوم) ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان واجب ہے اور اس (کی کیفیت) کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

(تاریخ بغداد ۱/۳۶۵ ت ۳۰۷ وسندہ صحیح)

فضل اکبر کاشمیری

آلِ تقلید کے سوالات اور ان کے جوابات

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علٰی رسوله الأمين ، أما بعد:

[تقلیدی حضرات آئے دن طرح طرح کے سوالات لکھ کر اہلِ حدیث عوام سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ ان کے جوابات دیں۔ یہ سوالات امین اوکاڑوی کلچر کا بنیادی حصہ ہیں۔ اگر ان لوگوں سے جوابی سوالات کئے جائیں تو یہ ان کا کبھی جواب نہیں دیتے بلکہ انھیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ایک صاحب نے کھپرو ضلع سانگھڑ سندھ سے دیوبندیوں کے دس سوالات بھیجے ہیں اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان کے جوابات لکھ کر اپنے سوالات بھی لکھے جائیں۔ اس مطالبے کے مطابق درج ذیل مضمون لکھا گیا ہے۔]

نبی کریم ﷺ کو مشکل کشا سمجھنے والے اور وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے دیوبندیوں کے دس سوالات اور ان کے جوابات مع سوالات درج ذیل ہیں۔ والحمدللہ

[مشکل کشا کے لئے دیکھئے کلیاتِ امدادیہ ص ۹۱، وحدت الوجود کے لئے دیکھئے کلیاتِ امدادیہ ص ۲۱۸، ۲۱۹ و مقالات سواتی ج ا ص ۳۷۵]

تقلیدی سوال نمبر ا: '' آپ لوگ جب اکیلے نماز پڑھتے ہو تو تکبیرِ تحریمہ اللہ اکبر آہستہ کہتے ہو۔ قرآن کی صریح آیات یا حدیث سے صراحتہً جواب دیں کہ اکیلا نمازی تکبیرِ تحریمہ آہستہ کہے۔''

جواب: سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ '' **فأمرنا بالسکوت** '' پھر ہمیں سکوت (خاموشی) کا حکم دیا گیا۔ (صحیح بخاری: ۴۵۳۴ و صحیح مسلم: ۵۳۹)

اس حدیث پر عمل کر کے اہلِ حدیث نمازی مکبّر نہ ہونے کی حالت میں تکبیرِ تحریمہ آہستہ کہتے ہیں۔ امام کی جہری تکبیروں کے لئے دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۸/۲ و سندہ حسن)

اہلِ حدیث، سوال نمبر ا: دیوبندیوں کے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب نے لکھا ہے:

''اوراس کے بعد اس کو ہُو ہُو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہو جانا چاہئے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے اور فنا در فنا کے یہی معنی ہیں اس حالت کے حاصل ہو جانے پر وہ سراپا نور ہو جائے گا۔'' (کلیاتِ امدادیہ ص ۱۸، ضیاء القلوب)

بندے کا اللہ بن جانا کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟

تقلیدی سوال نمبر۲: ''آپ لوگ مقتدی بن کر امام کے پیچھے اللہ اکبر آہستہ کہتے ہو صاف قرآن یا حدیث میں لکھا ہوا پیش کریں کہ مقتدی امام کے پیچھے اللہ اکبر آہستہ کہے حدیث میں مقتدی کی بھی تصریح ہو اور آہستہ کا بھی لفظ ہو۔''

جواب: مقتدی ہو یا منفرد سب مکبّر نہ ہونے کی حالت میں تکبیرِ تحریمہ آہستہ کہیں گے جیسا کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۵۳۴) وصحیح مسلم (۵۳۹)

اہلِ حدیث، سوال نمبر۲: دیوبندیوں کے روحانی باپ اور بانی مدرسۂ دیوبند محمد قاسم نانوتوی نے لکھا ہے: ''بلکہ اگر بالفرض بعد از زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں فرق نہ آئے گا۔'' (تحذیر الناس ص ۸۵ طبع مکتبہ حفیظیہ گوجرانوالہ)

وہ آیت یا حدیث پیش کریں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی نبی پیدا ہونے سے ختمِ نبوت میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

تقلیدی سوال نمبر۳: ''اگر کوئی نمازی تکبیرِ تحریمہ اللہ اکبر کے بجائے اللہ اعظم یا اللہ اجل کہہ دیتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ صاف قرآن وحدیث سے حکم بیان فرمائیں قیاس واجتہاد نہ فرمائیں۔''

جواب: تکبیرِ تحریمہ اللہ اکبر کے بجائے ''اللہ اعظم'' اور ''اللہ اجل'' کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث واجماع اور آثارِ سلفِ صالحین میں نہیں ہے لہٰذا تکبیرِ تحریمہ کی جگہ یہ الفاظ کہنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وکلّ بدعة ضلالة)) اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۶۷)

لہٰذا اس حالت میں نماز نہیں ہوگی کیونکہ گمراہی والی نماز فاسد ہے۔

اہلِ حدیث، سوال نمبر۳: دیوبندیوں کے روحانی پیشوا اشرف علی تھانوی نے نور محمد (نامی شخص) کے بارے میں بطورِ اقرار لکھا ہے:

'' آسرا دنیا میں ہے از بس تمھاری ذات کا تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت قاضی ہو خدا آپکا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا بر ملا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا ''

(امداد المشتاق ص ۱۱۶ فقرہ نمبر ۲۸۸)

یہ کہنا کہ نور محمد کے سوا دنیا میں کوئی آسرا نہیں ہے اور حشر کے دن اللہ کے سامنے بھی نور محمد کو پکارنا: ''وقت ہے امداد کا'' کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟

تقلیدی سوال نمبر۴: '' آپ حضرات امام کے پیچھے مقتدی بن کر جہر سے آمین کہتے ہو جہری نمازوں میں کوئی ایک آیت یا حدیث ایسی پیش کریں کہ جس میں صراحتاً مقتدی کا لفظ ہو اور جہری کے ساتھ آمین کی بھی تصریح ہو، ورنہ جواب قابلِ قبول نہ ہوگا۔''

جواب: صحیح بخاری میں ہے کہ

'' أمن ابن الزبیر و من وراء ہ حتّی إن للمسجد للجۃ ''

ابن الزبیر (صحابی رضی اللہ عنہ) اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی حتیٰ کہ مسجد میں شور ہوا۔

(قبل ح ۷۸۰)

صحابہ و تابعین کے اس عمل پر کسی کا انکار ثابت نہیں ہے لہٰذا جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کے اختتام پر آمین بالجہر کے جواز پر صحابۂ کرام و تابعین کا اجماع ہے۔ سری نمازوں میں آمین بالسر پر اجماع ہے۔

تنبیہ: اجماع شرعی حجت ہے۔ دیکھئے المستدرک للحاکم (۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح) وابراء اہل الحدیث والقرآن للشیخ عبداللہ غازیفوری (ص ۳۲) و ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱ (ص ۴)

اہلِ حدیث، سوال نمبر۴: دیوبندیوں کے روحانی پیشوا رشید احمد گنگوہی ایک خط میں

اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں : '' اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے''

(فضائل صدقات ص ۵۵۸ واللفظ لہ، مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ گنگوہی کے نزدیک وہ جو گنگوہی ہے وہ اللہ ہے۔! معاذ اللہ

اس عقیدے کا ثبوت آیت یا حدیث سے پیش کریں۔

تقلیدی سوال نمبر ۵: ''باجماعت نماز میں امام بلند آواز سے سلام کہہ کر نماز ختم کرتا ہے اور مقتدی حضرات آہستہ سلام کہتے ہیں، صاف طور پر امام اور مقتدی کا یہ فرق قرآن یا حدیث میں لکھا ہوا پیش کریں، قیاس اور الزامی جواب کی طرف جانے کی زحمت نہ کریں۔''

جواب: مقتدیوں کا آہستہ سلام کہنا سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۵۳۴) وصحیح مسلم (۵۳۹)

امام کا بلند آواز سے سلام کہنا اجماع سے ثابت ہے۔ والحمد للہ

اہلِ حدیث، سوال نمبر ۵: دیوبندیوں کے ایک بزرگ صوفی عبدالحمید سواتی نے فوائد عثانی نامی کسی کتاب سے محمد عثمان نامی ایک آدمی کے بارے میں بغیر انکار کے لکھا ہے:

''خواجہ مشکل کشا: پیر دستگیر'' (فیوضاتِ حسینی عرف تحفہ ابراہیمیہ ص ۶۸)

محمد عثمان کے ''خواجہ مشکل کشا'' اور ''پیر دستگیر'' ہونے کا ثبوت آیت یا حدیث سے پیش کریں۔

تقلیدی سوال نمبر ۶: ''غیر مقلد حضرات نمازِ جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص جہر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے آپ کا یہ عمل ثابت ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھی یعنی تکبیرِ اول کے بعد کی تصریح ہو۔''

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے جنازے پر سورۂ فاتحہ اور ایک سورت جہراً پڑھی اور فرمایا: ''سنة و حق'' یہی سنت اور حق ہے۔

(سنن النسائی ۴/۷۴، ۷۵ ح ۱۹۸۹ ملخصاً وسندہ صحیح)

صحابی جب کسی کام کو سنت کہے تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔ دیکھئے اصولِ حدیث کی مشہور کتاب مقدمۃ ابن الصلاح مع شرح العراقی (ص ۶۹)

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اہلِ حدیث امام سورۂ فاتحہ اور ایک سورت مثلاً سورۂ اخلاص وغیرہ جہراً پڑھتا ہے۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ '' **السنة فی الصلوٰة علی الجنازة أن تکبر ثم تقرأ بأم القرآن** '' اِلخ نمازِ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم تکبیر کہو پھر سورۂ فاتحہ پڑھو۔

(منتقی ابن الجارود: ۵۴۰ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳ ص ۲۶)

اسی روایت میں آیا ہے کہ '' **ولا تقرأ إلا فی التکبیرة الأولی** '' اور تم قراءت صرف پہلی تکبیر میں ہی کرو۔ (منتقی ابن الجارود: ۵۴۰ ومصنف عبدالرزاق: ۶۴۲۸)

ایک روایت میں آیا ہے: '' **السنة فی الصلوٰة علی الجنازة أن یقرأ فی التکبیرة الأولی بأم القرآن مخافتةً** '' نمازِ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر اُولیٰ میں سورۂ فاتحہ خفیہ (آہستہ) پڑھی جائے۔ (سنن النسائی ۱/۲۸۱ ح ۱۹۹۱، وھو حدیث صحیح وصححہ ابن الملقن فی تحفۃ المحتاج ۷۸۸)

یہ حدیث مرفوع ہے اور اس پر عمل کرتے ہوئے اہلِ حدیث مقتدی تکبیرِ اولیٰ کے بعد سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھتے ہیں۔ والحمدللہ

اہلِ حدیث، سوال نمبر ۶: دیوبندیوں کے بزرگ زکریا تبلیغی کاندھلوی اپنی کتاب فضائلِ درود میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے، جامی کے اشعار کا ترجمہ بلا انکار لکھتے ہیں:

''رسولِ خدا نگاہِ کرم فرمایئے اے ختم المرسلین رحم فرمایئے....''

عاجزوں کی دستگیری، بیکسوں کی مدد فرمایئے.... (فضائلِ درود ص ۱۳۶، ۱۳۷)

ان اشعار کا ثبوت قرآن مجید کی آیت یا نبی ﷺ کی صحیح حدیث سے پیش کریں۔

تقلیدی سوال نمبر ۷: ''کسی صحابی کے جنازہ میں حضور اکرم ﷺ نے فاتحہ پڑھی اور سورۂ اخلاص پڑھی اور جہر کیا؟ ایسی حدیث صحیح ہو جس میں نمازِ جنازہ کی تصریح ہو اور جہر کی بھی تصریح ہو حضور اکرم ﷺ کے قول و فعل کی بھی تصریح ہو اور کسی کا قول نہ ہو، بلکہ حضور

اکرم ﷺ کی سچی اور صحیح حدیث ہو۔''

جواب: سابقہ سوال (نمبر٦) کے جواب میں باحوالہ ثابت کر دیا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت جہراً پڑھی اور فرمایا: یہ سنت اور حق ہے۔

(سنن النسائی: ۱۹۸۹، وسندہ صحیح)

صحابی جب کسی عمل کو سنت کہے تو اس سے مراد نبی ﷺ کی سنت ہوتی ہے جیسا کہ اصولِ حدیث سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

اہلِ حدیث، سوال نمبر۷: دیوبندیوں کے روحانی بزرگ محمود حسن اسیر مالٹا نے رشید احمد گنگوہی کی موت پر مرثیے میں کہا:

''اٹھا عالَم سے کوئی بانیِ اسلام کا ثانی''

(کلیاتِ شیخ الہند ص۸۷)

آیت یا حدیث سے ثابت کریں کہ گنگوہی صاحب، بانیٔ اسلام (اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ) کے ثانی تھے۔

تقلیدی سوال نمبر۸: ''نماز جنازہ کے اندر کتنی چیزیں فرض ہیں؟ کتنی چیزیں واجب ہیں؟ کتنی سنت اور کتنی مستحب ہیں؟ سب کچھ حدیث صحیح سے ثابت کریں۔''

جواب: مقتدیوں کے لئے نمازِ جنازہ کا مختصر طریقہ درج ذیل ہے:

(۱) تکبیر (اللہ اکبر) کہیں (۲) سورۂ فاتحہ پڑھیں (۳) تکبیر کہیں اور درودِ ابراہیمی پڑھیں (۴) تکبیر کہیں اور دعا پڑھیں (۵) ایک طرف سلام پھیر دیں۔

یہ سب اعمال آہستہ آواز سے کریں۔

[دلائل کے لئے دیکھئے منتقی ابن الجارود (۵۴۰ وسندہ صحیح) مصنف عبد الرزاق (۶۴۲۸ وسندہ صحیح)]

جنازہ اسی طریقے سے پڑھنا چاہیے، باقی رہا یہ کہ کیا فرض ہے اور کیا واجب؟ تو یہ سوال بدعت ہے۔ دیکھئے مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ (۱۳۲/۱، ۱۳۳ ت ۱۸۹) ماہنامہ

الحدیث حضرو:۱۳ص۴۹

یادرہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔(صحیح مسلم:۸٦۷)

اہلِ حدیث، سوال نمبر ۸: ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں لکھا ہے:

''لیکن آپؐ نماز پڑھاتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی، اور ساتھ گدھی بھی تھی، دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔''

(غیر مقلدین کی غیر مستند نماز ص۴۳، مجموعہ رسائل ج۳ص۳۵۰ حوالہ:۱۹۸، تجلیات صفدر ج۵ص۴۸۸)

وہ صحیح حدیث پیش کریں جس میں شرمگاہوں پر نظر پڑنے کا ثبوت لکھا ہوا ہو۔

تقلیدی سوال ۹: ''نماز جنازہ کے اندر آپ کا امام بلند آواز سے تکبیریں کہتا ہے اور آپ کے مقتدی آہستہ آواز سے، کیا حدیث سے صاف صریح طور پر ثابت ہے کہ امام نماز جنازہ کی تکبیریں بلند آواز سے کہے اور مقتدی آہستہ؟''

جواب: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے رکوع و سجود والی نماز پڑھائی تو تکبیر بالجہر کہی اور نماز کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۸/۲ وسندہ حسن لذاتہ)

اس پر اجماع ہے کہ نمازِ جنازہ میں امام بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ آواز سے تکبیریں کہیں گے اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ اجماعِ اُمت شرعی حجت ہے۔

اہلِ حدیث، سوال نمبر ۹: دیوبندیوں کے بزرگ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''اور رسول اللہ ﷺ جو اپنے اُمتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں اُن کی صداقت وعدالت پر گواہ ہوں گے۔'' (تفسیر عثمانی ص۲۷ف۳۰ تحت آیۃ:۱۴۳)

وہ آیت یا حدیث لکھیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اُمتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں۔

تقلیدی سوال نمبر ۱۰ (آخری): ''آپ کا امام نماز جنازہ کا سلام بلند آواز سے کہتا ہے

اور مقتدی آہستہ۔ کیا امام اور مقتدیوں کا یہ فرق صراحتہً حدیث صحیح سے ثابت ہے؟''

جواب: حدیثِ صحیح سے اجماعِ اُمت کا حجت ہونا ثابت ہے۔

(دیکھئے المستدرک ۱/۱۱۶)

امام کا بلند آواز سے سلام کہنا اجماع سے ثابت ہے اور مقتدیوں کا آہستہ سلام کہنا سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۵۳۴) وصحیح مسلم (۵۳۹)

لہٰذا اہلِ حدیث کا عمل قرآن وحدیث پر جاری ہے۔ والحمدللہ

اہلِ حدیث، سوال نمبر۱۰ (آخری): دیوبندیوں کے ایک بزرگ عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی (اشرف علی تھانوی کے بارے میں) لکھتے ہیں:

''واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پاؤں دھوکر پینا نجاتِ اُخروی کا سبب ہے۔''

(تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۱۳)

وہ آیت یا حدیث لکھیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اشرف علی تھانوی دیوبندی کے پاؤں دھوکر پینا نجاتِ اُخروی کا سبب ہے۔!

سوال وجواب کا اختتام:

آلِ دیوبند وآلِ تقلید کے دس سوالات کے جوابات مع دس سوالات پیش کر دیئے گئے ہیں۔ روئے زمین کے تمام دیوبندیوں وتقلیدیوں سے مطالبہ ہے کہ وہ اہلِ حدیث کے ان دس سوالات کو نقل کر کے مطابقِ سوالات جوابات لکھیں۔ ان تمام سوالات کا تعلق عقیدہ وایمان سے ہے اور فروعی اختلافات سے قطع نظر عقیدہ وایمان کے یہ سوالات بطورِ جواب اس لئے لکھے گئے ہیں کہ دیوبندیوں کے ساتھ اہلِ حدیث کا اصل اختلاف: عقائد، ایمان اور اصول میں ہے۔

تنبیہ: آلِ تقلید نے جو فروعی وفقہی سوالات کئے ہیں ان کے جوابات وہ اپنے مزعوم امام (جن کی تقلید کے یہ لوگ مدعی ہیں) سے باسند صحیح کبھی پیش نہیں کر سکتے۔

ولو کان بعضهم لبعض ظهيرًا.

(۱۴ شعبان ۱۴۲۷ھ)

چندمزید سوالات اوران کے جوابات

تقلیدی (سوال نمبر۱): ''بھینس کا گوشت کھانا دودھ پینا دہی لسی استعمال کرنا،اس کے بارے میں حدیث پیش کریں''

جواب: اس پر اجماع ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔(الاجماع للامام ابن المنذر، رقم:۹۱)
معلوم ہوا کہ بھینس کا حلال ہونا اجماع سے ثابت ہے اور اجماع شرعی حجت ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے دیکھئے المستدرک للحاکم (۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح)
جب بھینس کا حلال ہونا ثابت ہو گیا تو گوشت، دودھ، دہی اور لسی کا حلال ہونا خود بخود ثابت ہو گیا اور اسی پر اجماع ہے۔ والحمدللہ

اہل حدیث (سوال نمبر۱): فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ:''إذا ذبح کلبه و باع لحمه جاز''اگر کوئی شخص اپنا کتا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچے تو جائز ہے۔(ج۳ص۱۱۵)
اس مسئلے کی دلیل کیا ہے اور کیا فتاویٰ عالم گیری کو کتاب وسنت کا نچوڑ سمجھنے والوں نے خود اس مسئلے پر کبھی عمل کیا ہے؟

تقلیدی (سوال نمبر۲): ''قربانی فرض ہے یا واجب یا سنت صریح حکم قرآن وحدیث سے دکھائیں''

جواب: قربانی سنت ہے، دیکھئے صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، باب سنة الأضحية ح ۵۵۴۵، ۵۵۴۶

اہل حدیث (سوال نمبر۲): ملا کاسانی حنفی نے لکھا ہے کہ''قال مشایخنا فیمن صلّی وفي کمه جرو کلب أنه تجوز صلاته''ہمارے مشائخ نے اس آدمی کے بارے میں کہا جو آستین میں کتے کا بچہ اٹھا کر نماز پڑھے (بشرطیکہ اس کا منہ بندھا ہوا ہو) اس کی نماز جائز ہے۔ (بدائع الصنائع ج۱ص۴۷)
کیا آلِ تقلید نے کبھی اس مسئلے پر خود عمل کیا ہے؟

تقلیدی (سوال نمبر۳):''8تراویح کس سن ہجری میں شروع ہوئیں حدیث دکھائیں''

جواب: آٹھ رکعات کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے حسن لذاتہ سند کے ساتھ ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۲/۱۳۸ ح ۱۰۷۰) و صحیح ابن حبان، الاحسان ۴/۶۲، ۶۴ ح ۲۴۰۱، ۲۴۰۶)
اس روایت کے راوی عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب القمی دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ۱۱ھ سے پہلے مسجد نبوی میں آٹھ رکعات ''تراویح'' پڑھائی جاتی تھیں۔

اہل حدیث (سوال نمبر۳): فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ '' **ولو ترك وضع اليدين والركبتين جازت صلاته بالإجماع** '' اور اگر (سجدے میں) دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے (زمین پر رکھنا) ترک کردے تو اس کی نماز (اہل الرائے کے نزدیک) بالاجماع جائز ہے۔ (ج۱ ص۷۰)

کیا آپ نے ایسی نماز کبھی لوگوں کے سامنے پڑھی ہے؟

تقلیدی (سوال نمبر۴): ''8 تراویح کے پہلے امام کا نام حدیث کے اندر سے بتائیں''

جواب: محمد رسول اللہ ﷺ، دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ح ۱۰۷۰) و صحیح ابن حبان (ح ۲۴۰۱، ۲۴۰۶) اور جواب سوال نمبر۴

اہل حدیث (سوال نمبر۴): دیوبندیوں کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ
''یا رسول کبریا فریاد ہے یا محمدؐ مصطفیٰ فریاد ہے

آپ کی امداد ہو میرا یا نبیؐ حال ابتر ہوا فریاد ہے

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل

اے مرے مشکل کشا فریاد ہے'' (کلیات امدادیہ ص ۹۰، ۹۱)

کیا رسول اللہ ﷺ کو مشکل کشا سمجھنا اور آپ کے سامنے (آپ کی وفات کے بعد) فریادیں کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت ہے؟

تقلیدی (سوال نمبر۵): پہلی مسجد کا نام بتائیں جس میں آٹھ تراویح شروع ہوئیں؟

جواب: مسجد النبی۔

دلیل کے لئے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ح ۱۰۷۰) وصحیح ابن حبان (ح ۲۴۰۱، ۲۴۰۶)

اہلِ حدیث (سوال نمبر ۵): حاجی امداد اللہ کہتے ہیں:

''جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں　　بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

پھنسا ہوں بیطرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر　　مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ''

(کلیاتِ امدادیہ ص ۲۰۵)

کیا رسول اللہ ﷺ کو کشتی کنارے پر لگانے کے لئے پکارنا، قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

تقلیدی (سوال نمبر ۶): ''تکبیر تحریمہ فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب حکم صراحتہً حدیث سے یا قرآنی آیت سے ہو۔''

جواب: تکبیر تحریمہ واجب یعنی فرض ہے۔

دلیل نمبر ۱: نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ''**ثم استقبل القبلة فكبر**'' پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ۔

(صحیح البخاری: ۶۲۵۱)

دلیل نمبر ۲: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**و إحرامها التكبير**'' اور نماز کا احرام تکبیر سے ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۶ وسندہ صحیح)

یہ حدیث مرفوع حکماً ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ شرائطِ نماز میں سے ہے۔

اہلِ حدیث (سوال نمبر ۶): محمد زکریا تبلیغی دیوبندی لکھتے ہیں:

''میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ دونوں کی جوتیوں کی خاک اپنے سر پر ڈالنا باعث نجات اور فخر اور موجب عزت سمجھتا ہوں۔'' (آپ بیتی ج ۱ ص ۴۵۹ قول: محمد زکریا برائے رائے پوری ومدنی صاحبان)

اس کا ثبوت قرآن وسنت سے پیش کریں؟

الخلاصہ: ہم نے آپ کے تمام سوالات مکمل نقل کر کے مطابقِ سوالات جوابات لکھ دیئے ہیں اور اپنے سوالات بھی پیش کر دیئے ہیں۔ اب آپ پر یہ لازم ہے کہ جوابات پر معارضہ کرنے سے پہلے ہمارے سوالات مکمل نقل کر کے مطابق سوال جواب لکھیں۔ یاد رہے کہ جو جواب مطابق سوال نہ ہو وہ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ **وما علینا إلا البلاغ** (۲۹، ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ)

حافظ شیر محمد

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بے شمار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((**أريتكِ فی المنام مرتين، أری أنكِ في سرقة من حرير ويقول :هٰذه امرأتكَ ، فأكشف فإذا هي أنتِ فأقول :إن يك هٰذا من عندالله يمضه .**)) تم مجھے خواب میں دو دفعہ دکھائی گئی ہو، میں نے دیکھا کہ تم ایک سفید ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی تھیں اور (فرشتہ) کہہ رہا تھا: یہ آپ کی بیوی ہیں۔ میں وہ کپڑا ہٹاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ تم ہو۔ میں کہتا تھا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اُسے ضرور پورا کرے گا۔ (صحیح البخاری:۳۸۹۵ و صحیح مسلم:۲۴۳۸[۶۲۸۳])

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام مجھے (میری تصویر کو) ریشم کے لباس میں لائے تو فرمایا: ''**هٰذه زوجتكَ فی الدنيا والآخرة**'' یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان:۷۰۵۲[۷۰۹۴] وسندہ حسن)

ایک روایت میں ہے کہ'' **جاء الملك بصورتي إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فتزوجني رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وأنا ابنة سبع سنين وأهديت إليه وأنا ابنة تسع سنين** '' (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ میری تصویر لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شادی کی اور (اس وقت) میری عمر سات سال تھی اور نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی۔ (المستدرک للحاکم ۴؍۱۰ ح ۶۷۳۰ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجۂ مبارکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا: ((**فأنتِ زوجتي فی الدنيا والآخرة**)) پس تو دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہے۔

(صحیح ابن حبان:۷۰۵۳[۷۰۹۵] وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم ۴؍۱۰ ح ۶۷۲۹ ووافقہ الذہبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر آنے والی آپ کی سب ازواج یقیناً جنت میں بھی

آپ کی ازواج ہوں گی لیکن آپ نے خاص طور پر اپنی بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:
((أما إنك منهن .)) تم تو انھی میں سے ہو۔
(صحیح ابن حبان: ۷۰۵۴ [۷۰۹۶] وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم ۱۳/۴ ح ۶۷۴۳ ووافقہ الذہبی)
سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے (علانیہ) فرمایا: " إني لأعلم أنها زوجته في الدنيا والآخرة ... " بے شک میں جانتا ہوں کہ وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۷۷۲)
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((فضل عائشة على النساء كفضل الثريد علىٰ سائر الطعام .))
عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح تمام کھانوں سے ثرید افضل ہے۔
(صحیح بخاری: ۳۷۷۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۶ [۶۲۹۹])
ثرید اس لذیذ کھانے کو کہتے ہیں جسے روٹی کو چُوری کر کے گوشت کے شوربے میں بھگو کر بنایا جاتا ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((أي بنية ! ألستِ تحبين ما أحب ؟)) اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ((فأحبي هذه .))
پس تم اس (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے محبت کرو۔ (صحیح مسلم: ۲۴۴۲/۸۳ [۶۲۹۰])
سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ لوگوں میں سے کس سے زیادہ محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((عائشة)) میں سب سے زیادہ عائشہ سے محبت کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۳۶۶۲، صحیح مسلم: ۲۳۸۴ [۶۱۷۷])
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((يا عائش ! هذا جبريل يقرئكِ السلام .)) اے عائش (عائشہ)! یہ جبریل تجھے سلام کہتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: " وعليه السلام ورحمة الله " اور ان پر (بھی) اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔

(صحیح بخاری:۶۲۰۱وصحیح مسلم:۹۱/۲۴۴۷[۶۳۰۴])

ایک روایت میں ''وعليه السلام ورحمة الله وبركاته'' کے الفاظ ہیں۔

(صحیح بخاری:۳۷۶۸)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دفعہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((لا تؤذيني في عائشة، فإنه والله ما نزل عليّ الوحي وأنا في لحاف امرأةٍ منكن غيرها .)) مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دو، بے شک اللہ کی قسم! مجھ پر تم میں سے صرف عائشہ کے بستر پر ہی وحی نازل ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری:۳۷۷۵)

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ پر جب بھی کسی حدیث میں اشکال ہوا تو ہم نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا اور ان کے پاس اس کے بارے میں علم پایا۔

(سنن الترمذی:۳۸۸۳وقال:'' هذا حديث حسن صحيح غريب'' وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آپ (امت میں) پہلی خاتون ہیں جن کا بے گناہ ہونا آسمان سے نازل ہوا۔ (فضائل الصحابۃ للامام احمد ۲/۸۷۲ ح ۱۶۳۶ وسندہ صحیح)

اس کے علاوہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور بہت سی خوبیاں بیان کیں تو سیدہ نے فرمایا:'' دعني منك يا ابن عباس ! والذي نفسي بيده ! لوددت أني كنت نسيًا منسيًا '' اے ابن عباس! مجھے چھوڑ دو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی ہوئی گمنام ہوتی۔

(مسند احمد ۱/۲۷۶ ح ۲۴۹۶ وسندہ حسن، طبقات ابن سعد ۸/۷۴ وسندہ صحیح) نیز دیکھئے صحیح بخاری (۳۷۷۱)

نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا آخری زمانہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزرا۔

(دیکھئے صحیح بخاری:۳۷۷۴)

بلکہ آپ کی وفات سیدہ عائشہ کی گود میں ہوئی۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۴۴۴۹وصحیح مسلم:۲۴۴۳)

عیسیٰ بن دینار (ثقہ راوی) نے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ

سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: '' استغفر الله لها '' میں ان کے لئے اللہ سے استغفار (مغفرت کی دعا) کرتا ہوں۔ (طبقات ابن سعد ۸/۷۴ وسندہ صحیح)

مشہور ثقہ فقیہ عابد تابعی ابو عائشہ مسروق بن الاجدع الکوفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' حدثتني الصديقة بنت الصديق، حبيبة حبيب الله ، المبرّأة ''

مجھے صدیق کی بیٹی (عائشہ) صدیقہ نے حدیث بیان کی (جو) اللہ کے حبیب کی حبیبہ ہیں (اور) پاک دامن ہیں۔ (مسند احمد ۶/۲۴۱ ح ۲۶۰۴۴ وسندہ صحیح)

اُم ذرہ (ثقہ راویہ) سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) نے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس دو بوریوں میں ایک لاکھ کی مالیت کا مال بھیجا تو انھوں نے ایک ٹرے منگوا کر اسے لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اس دن آپ روزے سے تھیں۔ جب شام ہوئی تو آپ نے فرمایا: میری افطاری لے آؤ۔ اُم ذرہ نے کہا: اے ام المومنین! کیا آپ یہ نہیں کر سکتی تھیں کہ جو مال تقسیم کر دیا ہے، اس میں سے پانچ درہم بچا کر ان سے گوشت خرید لیتیں اور اس سے روزہ افطار کرتیں؟ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے جواب دیا: مجھے ملامت نہ کرو، اگر تم مجھے یاد دلا دیتیں تو میں یہ کر دیتی۔ (طبقات ابن سعد ۸/۶۷ وسندہ صحیح)

ایک دفعہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن رحمہا اللہ باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو انھوں نے اس دوپٹے کو پھاڑ دیا اور حفصہ کو موٹا گاڑھا دوپٹہ اوڑھا دیا۔

(الموطأ، روایۃ یحییٰ ۲/۹۱۳ ح ۱۷۵۸، وسندہ صحیح)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت سے تین سال پہلے (سیدہ) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) فوت ہو گئی تھیں۔ آپ نے تقریباً دو سال بعد عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا اور ان کی عمر چھ (۶) سال تھی پھر (۹) سال کی عمر میں وہ آپ کے گھر تشریف لائیں۔

(صحیح بخاری: ۳۸۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ بچی کا نکاح ہو سکتا ہے لیکن رخصتی بلوغ کے بعد

ہوگی۔ چھ یا سات سال کی عمر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی والی حدیث متواتر ہے۔ اسے (۱) عروہ بن الزبیر (۲) اسود بن یزید [صحیح مسلم: ۲/۷۲/۱۴۲۲ وترقیم دارالسلام: ۳۴۸۲] (۳) یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب [مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۷۳ وسندہ حسن] (۴) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف [سنن النسائی ۶/۱۳۱ ح ۳۳۸۱ وسندہ حسن] اور (۵) عبداللہ بن صفوان [المستدرک للحاکم ۴/۱۰ ح ۶۷۳۰ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی] نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔

عروہ سے ہشام بن عروہ اور زہری (صحیح مسلم: ۱۴۲۲) نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ہشام بن عروہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے اور وہ تدلیس کے الزام سے بری ہیں۔

(دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ۳۰/ص ۳۱)

ہشام بن عروہ سے یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی رحمہ اللہ (مسند احمد ۶/۱۱۸ ح ۲۴۸۶۷ وسندہ حسن، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/۲۱ ح ۴۶ وسندہ حسن) نے بیان کر رکھی ہے۔

تابعین کرام میں سے درج ذیل تابعین سے اس مفہوم کے اقوال ثابت ہیں:

۱: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (مسند احمد ۶/۲۱۱ ح ۲۵۷۶۹ وسندہ حسن)

۲: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (ایضاً وسندہ حسن)

۳: ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر ۲۳/۲۶ ح ۶۲ وسندہ حسن)

۴: عروہ بن زبیر (صحیح بخاری: ۳۸۹۶، طبقات ابن سعد ۸/۶۰ وسندہ صحیح)

۵: زہری (طبقات ابن سعد ۸/۶۱ وھو حسن)

لہٰذا اس کا انکار کرنا باطل و مردود ہے۔ اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ ۳/۱۲۹)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مروی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۱۳۹)

قولِ صحیح کے مطابق آپ کی وفات ستاون ہجری (۵۷ھ) میں ہوئی۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۶۳۳)

اور آپ کی نمازِ جنازہ سیدنا امیر المومنین فی الحدیث الامام الفقیہ المجتہد المطلق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ (دیکھئے التاریخ الصغیر للبخاری ۱/۱۲۸، ۱۲۹ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث: ۳۲ ص ۱۱)

رضي الله عنها وعن سائر المؤمنين والمؤمنات ۔ آمين

احسن الحدیث — حافظ ندیم ظہیر

مباشرت سے قبل طلاق

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انھیں چھونے سے قبل طلاق دے دو تو تمھارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں ہے جس کے پورا ہونے کا تم مطالبہ کر سکو لہٰذا (اسی وقت) انھیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔ (الاحزاب:۴۹)

فقہ القرآن

اس آیت میں مسائلِ طلاق میں سے ایک مسئلے کا بیان ہے اور اسی مسئلے کے چند پہلو درج ذیل ہیں:

☆ امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لا طلاق قبل النكاح'' نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔ (صحیح بخاری بعد ح ۵۲۶۸)

☆ مباشرت سے قبل طلاق دینا جائز ہے۔

☆ اگر ہمبستری سے پہلے طلاق دے دی جائے تو عورت پر کوئی عدت نہیں ہے۔ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ طلاق کے فوراً بعد جس سے چاہے نکاح کر لے۔

☆ اگر مباشرت سے پہلے طلاق دی ہے اور حق مہر بھی مقرر تھا تو اس میں سے نصف کی ادائیگی ضروری ہے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ:۲۳۷

''بھلے طریقے سے رخصت کر دو'' سے مراد یہ ہے کہ انھیں کسی قسم کی تکلیف و اذیت دینے سے احتراز کیا جائے۔ سیدنا ابو اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا تھا پھر جب وہ آپ کے ہاں لائی گئی تو آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے اس نے ناپسند کیا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو اُسید سے فرمایا: اس کا سامان تیار کر دو اور رازقیہ (ٹسر/ کچے ریشم) کے دو کپڑے اسے پہننے کے لئے دے دو۔ (بخاری:۵۲۵۶)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ

فضل اکبر کاشمیری

نام ونسب: ابوالطیب محمد شمس الحق بن امیر علی بن مقصود علی بن غلام حیدر بن ہدایت اللہ بن محمد زاہد بن نور محمد بن علاء الدین ڈیانوی عظیم آبادی

ولادت: ۲۷ ذوالقعدہ ۱۲۷۳ھ بمطابق جولائی ۱۸۵۷ء عظیم آباد۔ ڈیانہ، ہندوستان

اساتذہ: قاضی بشیر الدین قنوجی، سید نذیر حسین دہلوی، شیخ حسین بن محسن السبعی الانصاری الیمنی اور خیر الدین ابوالبرکات نعمان بن محمود الآلوسی وغیرہم

تدریس: ۱۳۰۳ھ کے بعد آپ نے اپنے علاقے میں وفات تک تدریس، خطابت اور افتاء کی ذمہ داری سنبھالی۔

تلامذہ: ابو القاسم سیف بنارسی، ابوسعید شرف الدین الدہلوی، فضل اللہ المدراسی اور عبدالحمید سوہدروی وغیرہم

تصانیف: اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر، التحقیقات العلیٰ باثبات فرضیۃ الجمعۃ فی القریٰ، التعلیق المغنی علیٰ سنن الدارقطنی، رفع الالتباس عن بعض الناس، عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان (فارسی) عون المعبود علیٰ سنن ابی داود، غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داود (نامکمل) الوجازہ فی الاجازہ اور غنیۃ الالمعی وغیرہ

دیگر علمی خدمات: سنن دارقطنی کی طباعت، خلق افعال العباد للبخاری، اور کتاب العرش والعلو للذہبی کی طباعت میں تعاون اور فتاویٰ وغیرہ

علمی مقام: آپ کی توثیق وتعریف پر اتفاق ہے۔ آپ کے شیخ قاضی حسین بن محسن الیمانی (متوفی ۱۳۲۷ھ) نے آپ کے بارے میں کہا: ''**شيخ الإسلام والمسلمين، إمام المحققين والأئمة المدققين ...**'' (عون المعبود ۴/۵۵۴ وحیاۃ المحدث شمس الحق وأعمالہ للشیخ المحقق الصالح الثقۃ محمد عزیر شمس السّلفی ص ۵۴ واللفظ لہ) حکیم عبدالحیٔ الحسنی نے کہا: ''**الشيخ العالم الكبير المحدث... أحد العلماء العاملين وعباد الله الصالحين**'' (نزہۃ الخواطر ۸/۱۹۴)

وفات: ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء **رحمه الله رحمة واسعة**